فنِ اسماء الرجال

ائمۂ حدیث کا عظیم الشان کارنامہ

تالیف

مولانا تقی الدین ندوی مظاہری

ناشر

مکتبۂ فلاح دارین، ترکیسر، سورت گجرات

(شاہی برقی پریس لکھنؤ)

(ب)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وما اٰتٰکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا

اور جو کچھ دے تم کو رسول بس لے لو اس کو اور جو کچھ کہ منع کرے تم کو اس سے بس باز رہو

فنّ اسماء الرّجال

ائمۂ حدیث کا عظیم الشان کارنامہ

یعنی

تاریخ رجال حدیث کی تدوین و تحقیق

کتب اسماء الرجال سے استفادہ کا طریقہ،

اہم و مشہور کتب رجال پر تبصرہ و تعارف

مؤلفہ

مولانا تقی الدین صاحب ندوی مظاہری

شیخ الحدیث

دار العلوم فلاح دارین، ترکیسر، سورت، گجرات

نام کتاب:۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فن اسماء الرجال، ائمہ حدیث کا عظیم الشان کارنامہ

مؤلف:۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تقی الدین ندوی مظاہری

طابع:۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ شاہی پریس لکھنؤ

بار اول:۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک ہزار جلد

قیمت:۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ایک روپیہ پچھتر نئے پیسے 1/75

ناشر:۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ مکتبہ فلاح دارین، ترکیسر، ضلع سورت گجرات

فروری ۱۹۶۹ء

ملنے کے پتے

۱ مکتبہ فلاح دارین ترکیسر، وایا کیم، ضلع سورت، گجرات

۲ مکتبہ "الفرقان" کچہری روڈ، لکھنؤ (یو۔پی)

فہرست مضامین فن اسماء الرجال

مقدمہ

ازحضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ

امّابعد: حکمت الٰہی کی یہ ایک عجیب کارفرمائی ہے کہ ایک نبیؐ اُمّی کو ایک ایسی اُمت عطا ہوئی جس نے علم کی خدمت و اشاعت ہی نہیں، اور علوم کی تکمیل و توسیع ہی نہیں بلکہ جدید علوم کی وضع و تدوین کا ایسا کارنامہ انجام دیا جسکی مثال گزشتہ تاریخ اور سابقہ اُمتوں میں نہیں مل سکتی، اس نے تصنیف و تالیف کے میدان میں ساری گزشتہ اقوام اور ملتوں کو پیچھے چھوڑ دیا، اور اتنا بڑا علمی ذخیرہ اور اتنا عظیم اور وسیع کتب خانہ اسکی محنتوں اور کاوشوں سے وجود میں آیا، جس کا سرسری جائزہ لینا بھی آسان نہیں، جس نبیؐ کو قرآن مجید میں "اُمّی" کے لقب سے کئی بار یاد کیا گیا اور جس کے متعلق یہ صراحت کی گئی:-

وَمَاكُنْتَ تَتْلُوْا مِنْ قَبْلِهٖ مِنْ كِتَابٍ	اور نہیں تھا تو پڑھتا پہلے اس سے کوئی کتاب
وَّلَا تَخُطُّهٗ بِيَمِيْنِكَ اِذًا لَّارْتَابَ	اور نہ لکھتا تو اس کو اپنے داہنے ہاتھ سے اس
الْمُبْطِلُوْنَ ٥ (سورہ عنکبوت ع ۵)	وقت البتہ دھوکا کھاتے جھوٹے۔

اس کو ایسی اُمت کا عطا ہونا جو اپنے علمی شغف و انہماک اور علم سے عشق اور اپنی بلند ہمتی اور خدمت علم میں اپنے ایثار اور قربانی میں بے نظیر ہو، محض اتفاقی امر نہیں بلکہ قدرت الٰہی کا ایک بڑا معجزہ اور ظاہر بین اور مادہ پرست انسانوں کے لیے ایک بڑا سبق اور انسانی تاریخ کے صفحات پر ایک روشن علامت استفہام ہے کہ ایسا کیوں اور کس طرح ہوا؟ عارف شیرازی نے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ:

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانۂ چند ملت بشست

لیکن یہ معجزانہ عمل صرف سلبی معجزہ نہ تھا اور اس کا دائرہ صرف قدیم ذخیرہ پر خطِ نسخ پھیر دینے میں محدود نہ تھا، بلکہ یہ ایک عظیم الشان تعمیری، ایجابی و احیائی معجزہ بھی تھا، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اس نے اتنے ذخیرہ کو جو اپنی زندگی اور بقا کی صلاحیت اور افادیت کو کھو چکا تھا، بے کار نہیں کیا، جتنا اس نے دنیا کو کار آمد، لازوال اور حیات بخش ذخیرہ عطا کیا۔ اس نے اگر چند ملتوں کے ان چند کتب خانوں پر پانی پھیر دیا جن کے نقوش نہ صرف یہ کہ اپنی آب و تاب کھو چکے تھے بلکہ دنیا کی غلط فہمی اور گمراہی کا ذریعہ بنے ہوئے تھے تو اس نے اسکے مقابلے میں دنیا کو وہ کتبخانے عطا کیے جو حقائق ابدی، علوم صحیحہ، اور ہدایت ربانی پر مشتمل تھے اور جو کسی زمانے میں خزاں رسیدہ اور از کار رفتہ نہیں ہو سکتے۔

ان علوم اسلامیہ کی فہرست بہت طویل ہے۔ جن کی وضع و تدوین کا سہرا اس امت کے سر ہے، اور جن کے ظہور میں آنے کا سبب و محرک قرآن مجید کا فہم اور تعلیمات نبوی کی حفاظت تھا۔

علماء اسلام نے مختلف ملکوں اور عہدوں میں ان علوم کی تاریخ نشو و ارتقاء اور علماء اسلام کی تصنیفات کے تذکرہ اور تعارف میں ضخیم و مفصل کتابیں لکھی ہیں، جن میں دور اول کی "الفہرست لابن الندیم اور دور متوسط کی کشف الظنون" للچلپی بہت مشہور رہیں، جہاں تک ہمارے ملک ہندوستان کا تعلق ہے۔ مولانا حکیم سید عبدالحئی کی کتاب معارف العوارف فی انواع العلوم والمعارف" جسے "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" کے نام سے دمشق کی سرکاری اکیڈمی "المجمع العلمی العربی" نے شائع کیا ہے، ایک نظر ڈال لینی کافی ہے، اس سے اندازہ ہو جائیگا کہ صرف ایک ملک میں مختلف اسلامی علوم پر علماء اسلام نے کتنا بڑا ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ جہاں تک علمی و فنی اصطلاحات کا تعلق ہے اس سلسلہ میں بھی سب سے بڑا کام ہندوستان ہی میں انجام دیا گیا ہے، اس سلسلہ میں شیخ عبدالنبی احمد نگری کی

کتاب "دستور العلماء" اور قاضی محمد اعلیٰ تھانوی کی کتاب "کشاف اصطلاحات الفنون" کا نام لینا بالکل کافی ہے، جو اس موضوع پر بلاد عربیہ میں بھی سب سے بڑا مرجع اور ماخذ سمجھی جاتی ہیں، یوں تو تمام علوم علماءِ اسلام کی بلند ہمتی اور ذوقِ جستجو کے شاہد ہیں، لیکن بلا خوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ علماء اسلام نے اپنی سب سے بڑی ذہانت اور محنت جس علم پر صرف کی، اور جس میں انھوں نے اپنی ذہنی کاوش اور علمی موشگافیوں کا سب سے بڑا ثبوت دیا، وہ فن حدیث ہے، کسی صاحب نظر کا مقولہ ہے، کہ اسلامی علوم کی تین قسمیں ہیں، ایک قسم جو نیم پختہ رہی، ایک قسم جو پختگی کے کمال کو پہونچ گئی، اور ایک قسم جو اس سے بھی آگے بڑھ گئی، اور گویا پختہ ہو کر بالکل کھری ہو گئی، اور ان کے الفاظ میں "طُبِخ واحترق"، اس تیسری قسم میں انھوں نے حدیث کو شمار کیا ہے، جو اپنے کمال وارتقاء کے آخری منازل تک پہنچکر نشانہ کو پار کر گیا، اور اس میں اب کسی آدمی کے لیے کوئی بات پیدا کرنا اور عامیانہ الفاظ میں کوئی نئی کوڑی لانا تقریباً ناممکن ہو گیا، نہ صرف فن روایت اور متن حدیث بلکہ متعلقات علم حدیث، اسماء الرجال، فن جرح وتعدیل، اصول حدیث اور علل حدیث میں محدثین اور نقادِ حدیث نے جو باریکیاں پیدا کی ہیں، جن موشگافیوں سے کام لیا ہے، جس ذہانت، نکتہ وری اور دیدہ ریزی کا ثبوت دیا ہے، اس کا کچھ اندازہ ان فنون کے محققین کی ضخیم تصنیفات اور دقیق بحثوں پر نظر ڈالنے ہی سے ہو سکتا ہے، جن میں اکثر مشہور اور مستند مصنفین کا نام پیش نظر کتاب میں آ گیا ہے اور جا بجا ان کے اقتباسات اور تحقیقات پیش کی گئی ہیں۔

قدرتی طور پر فن حدیث سے متعلق ساری کتابیں عربی میں تھیں، اور وہی عالم اسلام کی تصنیفی اور علمی زبان رہی ہے، اور ان کتابوں کا حلقہ بھی اہل فن اور اہل درس تک محدود رہا ہے، ہماری اردو زبان جس میں دینیات کا بڑا ذخیرہ منتقل ہو گیا ہے اور جو اسلامی تصنیفات کے لحاظ سے عربی کے بعد مسلمانوں کی دوسری زبان کہی جا سکتی ہے۔ عرصہ ہوا اس نے فارسی کو بھی بہت پیچھے چھوڑ دیا، اس زبان میں زیادہ تر حدیث کے متون کے تراجم ہوئے، حدیث کی تاریخ وتدوین یا محدثین کے سیر وتراجم پر کتابیں لکھی گئیں لیکن رجال، فن جرح وتعدیل، شرائطِ قبولِ حدیث، علل واسقام حدیث، فن اسناد، مختلف ائمۂ حدیث کے معیار صحت وضعف موضوعات وغیرہ پر بہت کم توجہ کی گئی، جس سے وہ اردو داں حضرات یا ضعیف الاستعداد طلباءِ مدارس فائدہ اٹھا سکتے، جو کسی وجہ سے ان ماخذ سے براہ راست استفادہ نہیں کر سکتے۔

عزیز گرامی مولوی تقی الدین ندوی سلمہ، تعلیم یافتہ طبقہ کے شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے

پہلے "محدثین عظامؒ" کے نام سے ایک متوسط کتاب لکھی، جس میں محدثین کرامؒ کی شخصیتوں اور اجمالی طور پر ان کے علمی کارناموں کا تعارف ہوا، اب فن اسماء الرجال، اور فنون حدیث پر وہ دوسری کتاب پیش کر رہے ہیں، جس میں اس فن کی معتمد کتابوں کا بڑا قابل قدر اور لائق استفادہ خلاصہ، ان کی تحقیقات کے نتائج آگئے ہیں۔ عزیز موصوف نے دار العلوم ندوۃ العلماء اور مظاہر علوم میں رہ کر محنت و ذوق کے ساتھ حدیث پڑھی اور اس کا مطالعہ کیا، پھر کچھ عرصہ بقیۃ السلف برکۃ العصر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ، کی خدمت میں رہ کر ان کے علمی ذخیروں اور ذاتی تحقیقات سے فائدہ اٹھایا اور ان کے درس میں بھی شرکت کی، تدریسی صلاحیت اور ذوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو تصنیفی صلاحیت و ذوق بھی عطا فرمایا ہے اور واقعہ یہ ہے کہ ایک ایسا مدرس جس نے سالہا سال تک کسی فن کی تعلیم دی ہو، اس فن کی مشکلات، طلباء کی صحیح ضرورتوں، ان کے ذہن اور ان کی استعداد سے واقف ہو سکتا ہے، اور اس فن کی چھپی ہوئی اور بکھری ہوئی تحقیقات کو پیش کر سکتا ہے۔ ان سب کی خصوصیات کی بنا پر اس کی امید ہے کہ یہ کتاب عربی داں تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے اس فن کے تعارف، اور اس سے اجمالی واقفیت کا ذریعہ، اور طلباء مدارس کے لیے معاون و رہنما ثابت ہوگی،

اللہ تعالیٰ اس سے تمام قارئین اور طلباء مدارس کو نفع پہونچائے، اسلاف کی گراں قدر اور بے نظیر خدمات کی قدر ان کے دل میں پیدا ہو، اور اس فن کے اصل ماخذ اور قدیم مراجع کے مطالعہ کا شوق ان کے سینہ میں موجزن ہو۔ واللہ ولی التوفیق۔

ابو الحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ

رائے بریلی

سہ شنبہ، ۳ر شوال المکرم ۱۳۸۸ھ

۲۴ر دسمبر ۱۹۶۸ء

حرفِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

امّا بعد - یہ کتاب جو فنِ اسماء الرجال، جرح و تعدیل اور اس کے متعلقات کے تعارف اور اصول و ضابطے کے بیان پر مشتمل ہے۔ آخری باب میں اس فن کی اہم و مشہور کتابوں کا اجمالی تعارف بھی ہے اور ان کے مطبوع و مخطوط ہونے کی نشاندہی ہے۔

اس کتاب کے لکھنے کا ابتدائی خیال فاضل گرامی مولانا مناظر احسنؒ گیلانی کی کتاب "تدوین حدیث" کے مقدمہ سے پیدا ہوا، جس میں انھوں نے اس فن پر اپنے ایک مقالہ کا ذکر کیا ہے، مگر افسوس کہ وہ منظر عام پر نہ آسکا۔

چونکہ عرصہ سے حق تعالیٰ شانہٗ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس ناچیز کو حدیث پاک کے پڑھنے و پڑھانے کا موقع عطا فرمایا ہے، اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ طلباء کو فن جرح و تعدیل کے اصول و ضابطے، اور اس فن کی مشہور و اہم کتابوں سے متعارف کرایا جائے، تاکہ اس فن کی کتابوں سے استفادہ کا سلیقہ پیدا ہو سکے، اور وہ اس بحر ناپیدا کنار سے مستفید ہو سکیں۔

میرے پیش نظر خصوصیت سے مدارس عربیہ کے طلباء ہیں، مگر ساتھ ہی اسکی بھی رعایت ہے کہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے لیے بھی یہ کتاب مفید ثابت ہو، اور مسلمانوں کے اس عظیم کارنامہ کا جو انھوں نے علم حدیث کی حفاظت و صیانت کی ضرورت کے تحت ایجاد کیا، اس کی اہمیت کا اندازہ ہو۔

یورپ کے مستشرقین اور ان کے مشرقی تلامذہ و مقلدین کی عرصہ سے ناپاک کوشش ہے کہ

علم حدیث جو درحقیقت قرآن کا بیان و شرح ہے، اس کو ایک صدی بعد کی ایجاد ثابت کیا جائے، تاکہ اسلام کا نظام اور اس کا پورا تمدن و معاشرہ ایک مجہول حقیقت بن کر رہ جائے اس لیے ضرورت محسوس کی گئی کہ فن رجال و جرح و تعدیل کے ضابطے اور محدثین کی اس سلسلہ میں غیر معمولی دیانت داری اور ان کی جانفشانیوں کا اجمالی مرقع پیش کر دیا جائے۔

اس کتاب کی ترتیب کے سلسلہ میں جن کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے، اس کی اجمالی فہرست اخیر کتاب میں درج کر دی گئی ہے۔

میرے اُستاد و مرشد حضرت مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مدفیوضہم (جنکی توجہ و برکت سے یہ کتاب پیش کی جا رہی ہے) نے اس کتاب کی تکمیل کے لیے خصوصیت سے تاکید فرمائی اور اسکے بیشتر حصے کو پڑھوا کر سُنا۔ اور اسکی تکمیل پر اظہار مسرت فرمایا، اور خصوصیت سے دُعائیں دیں۔

ہمارے مخدوم و محترم حضرت مولانا محمد منظور نعمانی مدظلہ نے اس کتاب کو اپنے رسالہ "الفرقان" میں کئی قسطوں میں شائع فرمایا جس سے علمی حلقوں میں اسکی اشاعت ہوئی، جس پر تہِ دل سے ممنون ہوں۔

یہ ناچیز اپنے مخدوم و مربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ کا بھی ممنون ہے کہ انھوں نے ازراہِ شفقت اس کے لیے مقدمہ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی۔

اسی طرح میرے ایک مخلص کی عنایت سے اس کتاب کی طباعت کا مرحلہ بھی آسان ہو گیا، حق تعالیٰ انھیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ میں ان تمام دوستوں اور بزرگوں کا ممنون ہوں جنھوں نے اس کتاب کے سلسلے میں کسی نوع کا تعاون کیا ہے، اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس کتاب کو شرفِ قبولیت و دوام عطا فرمائے، اور اس ناچیز کی لغزشوں و سیئات سے درگزر فرما کر مزید حدیث پاک کی خدمت کا موقع عطا فرمائے، وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ ۝ فقط والسلام

یوم جمعہ - ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۸۸ھ
مظاہر علوم سہارنپور

تقی الدین ندوی مظاہری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ، اما بعد

فنِ اسماء الرجال

پوری علمی دنیا کا اس پر اتفاق ہے کہ مسلمانوں نے اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حیاتِ طیبہ بلکہ ہر اس چیز اور ہر اُس شخص کے حالات کی جس کا ادنیٰ سا تعلق بھی آپ کی ذاتِ مبارک سے تھا، جس طرح حفاظت کی وہ انسانی تاریخ کا ایک اعجوبہ ہے۔

جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال اور احوال کو روایت کیا، انھیں رواۃِ حدیث یا راویانِ حدیث کہا جاتا ہے جن میں صحابہ کرامؓ، تابعینؒ و تبع تابعینؒ اور بعد کے چوتھی صدی ہجری تک کے راویانِ احادیث و آثار داخل ہیں۔ ان کے مجموعۂ احوال کا نام فنِ اسماء الرجال ہے ۔۔ جب حدیث و سنت کے سرمایہ کی تدوین ہو چکی تو ان رواۃِ حدیث کے حالات بھی قلمبند کیے گئے، ہر راوی کا نام، اس کی کنیت اس کا لقب، کہاں کے رہنے والے تھے، ان کے آباء و اجداد کون تھے؟ کس مزاج و طبیعت کے تھے، حافظہ کیسا تھا، تقوے اور دیانت کے لحاظ سے کیا درجہ و معیار تھا، کن اساتذہ اور شیوخ سے علم حاصل کیا تھا۔ طلبِ علم کے سلسلے میں کہاں کہاں کی خاک چھانی، کن لوگوں نے اُن سے علم حاصل کیا، غرض ان ہزار ہا ہزار راویانِ حدیث کے بارے میں تحقیق و تفتیش کا اتنا زبردست ریکارڈ جمع کیا گیا، کہ دنیائے قدیم و جدید کی تاریخ میں اس کی نظیر نہیں، ڈاکٹر اسپنگر نے جس کی اسلام دشمنی مشہور ہے "الاصابۃ فی معرفۃ الصحابۃ" کے انگریزی مقدمہ میں لکھا ہے۔

"کوئی قوم نہ دنیا میں ایسی گزری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانوں کی طرح اسماء الرجال جیسا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو، جس کی بدولت آج پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال معلوم ہو سکتا ہے۔"[۵۱]

صرف طبقۂ اول کے راویان حدیث یعنی صحابۂ کرام کی تعداد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور حیات میں ایک لاکھ سے زائد تھی۔ اگرچہ ان کتابوں میں جو صحابۂ کرامؓ کے تذکرہ میں لکھی گئیں اور محفوظ ہیں، قریباً صرف دس ہزار کا تذکرہ ملتا ہے، جیسا کہ حافظ سیوطی نے لکھا ہے:۔

"یہ وہ لوگ ہیں جن میں سے ہر ایک نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور واقعات کا کچھ نہ کچھ حصہ دوسروں تک پہنچایا یعنی انھوں نے روایت حدیث کی خدمت انجام دی۔"[۵۲]

سلسلۂ اسناد حدیث کے دو جزو ہوتے ہیں، ایک متن حدیث، یعنی حدیث کا اصل مضمون جن الفاظ میں بھی راوی نے بیان کیا ہو ۔۔۔ اور دوسرا جزو اسناد یعنی بالترتیب ان لوگوں کے اسماء جنھوں نے اس حدیث کو روایت کیا ہو۔

سلسلۂ اسناد اس اُمت کا خصوصی امتیاز ہے، حافظ ابن حزم فرماتے ہیں کہ:۔

"ثقہ راوی کا اپنے اوپر والے ثقہ راوی سے حدیث نبوی کو اس طرح روایت کرنا کہ کڑی سے کڑی جُڑی ہو، (درمیان میں انقطاع نہ ہو) یہ وہ نعمت ہے، جس سے اللہ تعالیٰ نے اُمت محمدیہ کو نوازا ہے۔"[۵۳]

تاریخ کو چھوڑیئے، دنیا میں قرآن مجید کے علاوہ جو الہامی کتابیں مشہور و معروف

---

[۵۱] خطبات مدراس بحوالہ تعداد صحابہ [۵۲] تدریب الراوی طبع جدید ص۴۰۰ [۵۳] تدریب طبع قدیم ص۱۵۳

ہیں، انہی کی سند کا حال دیکھ لیا جائے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تورات آج موجود ہے، انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے مصنفین کے بیان کے مطابق وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صدہا سال کے بعد وہ کتابی شکل میں مدون ہوئی ہے۔

عیسائی دنیا کا بڑا حصہ آج صرف چار انجیلوں کو تسلیم کرتا ہے، ان چار انجیلوں میں سے ایک کے لکھنے والے نے بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود نہیں دیکھا ہے، بلکہ انھوں نے کسی سے سن کر حالات کا یہ مجموعہ لکھا ہے، بلکہ اب تو یہ بھی مشکوک سمجھا جا رہا ہے کہ جن چار آدمیوں کی طرف ان کی نسبت کی جاتی ہے (یعنی متّی، مرقس، یوحنّا، لوقا) ان کی طرف یہ نسبت صحیح بھی ہے یا نہیں؟ اس کے لیے جس درجہ کا علمی ثبوت چاہیے واقعہ یہ ہے کہ موجود نہیں ہے[1]۔ یہی حال دوسروں کے الہامی نوشتوں کا ہے اور ہمارے ہاں ضعیف حدیثوں تک کی سند موجود ہے، اور اس سند کے ضعف و عدم ضعف پر دلائل قائم ہیں، بلکہ جیسا کہ اوپر بتایا گیا کہ اسناد کو حدیث کا جزو بنا دیا گیا ہے اور بلا اسناد کے حدیث کو قابلِ قبول ہی نہیں سمجھا گیا۔ امت کے جلیل القدر امام عبد اللہؒ بن مبارک کا ارشاد ہے۔

الاسناد من الدین لولا الاسناد	اسناد جزو دین ہے، اگر اسناد کی پابندی
لقال من شاء ما شاء[2]	نہ ہو تو جس کے جو جی میں آئے کہدے

سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ ایک امام زہریؒ نے ایک حدیث بیان کی میں نے عرض کیا، اسی کو بغیر سند کے پھر بیان فرما دیجیے۔ انھوں نے فرمایا، تم بغیر زینے کے

---

[1] خطبات مدراس صـ۳۶ ۔ [2] اخرجہ مسلم فی مقدمۃ صـ۱۲

کو بٹھے پر چڑھنا چاہتے ہو"۔

اسی طرح سفیان ثوری نے اسناد کو مومن کا سلاح (ہتھیار) قرار دیا ہے[۱]۔

راویان حدیث کی پہلی صف یعنی صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم	حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث و سنت کے اولین رواۃ یعنی صحابہ کرامؓ جو واقعات کے چشم دید گواہ ہیں انکی

راست گفتاری اور صدق مقال پر ان کی زندگی کا ایک ایک حرف گواہ ہے اور ان کی عقل، رزانت و متانت پر ان کے کارنامے شاہد عادل ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی رؤس الاشہاد بار بار اعلان فرمایا کہ :۔

"جو شخص میری طرف کسی جھوٹی بات کو قصداً منسوب کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہے[۲]"

صحابہ کرامؓ کا یہ حال تھا کہ کسی بات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرکے بیان کرتے وقت کانپ جاتے تھے۔

بعض صحابہؓ کا معمول تھا کہ جب وقت حدیث بیان کرنے کے لیے بیٹھتے تھے، تو کوئی حدیث بیان کرنے سے پہلے "من کذب علیّ متعمدا" والی حدیث ضرور پڑھ لیا کرتے تھے۔ امام احمد بن حنبل اپنی مسند میں راوی ہیں، کہ خصوصیت کے ساتھ ذخیرۂ حدیث کے سب سے بڑے راوی حضرت ابوہریرہؓ کا دوامی دستور تھا کہ :

یبتدأ حدیثه قال رسول الله الصادق المصدوق ابوالقاسم صلّی الله علیه وسلم من کذب	جب وہ حدیث بیان کرنا شروع کرتے تو پہلے فرماتے کہ اللہ کے رسولؐ صادقؐ مصدوقؐ ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے

---

[۱] تدریب ص۱۰۳ طبع قدیم [۲] صحیح بخاری باب اثم من کذب علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [۳] تذکرۃ الحفاظ فی ترجمۃ ابن مسعودؓ ص۱۵

علیّ متعمّدا فلیتبوّأ مقعدہ من النار۔ کہ جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا وہ اپنا ٹھکانا دوزخ میں تیار کر لے۔

قرآن و حدیث میں ان حضرات صحابہؓ کے عادل ہونے کی شہادت دی گئی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ[۱] الخ

دوسری جگہ فرمایا:۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ[۲] الخ

ان آیات کے اولین مخاطب صحابہ کرامؓ ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے "خیر الناس قرنی[۳]" اسی لیے علامہ نووی نے اُمت کا اجماع نقل کیا ہے:۔

"کلهم عدول ومتأولون فی حروبهم وغیرها ولم یخرج شئ من ذلك احدا منهم من العدالة لانهم مجتهدون اختلفوا فی مسائل من محل الاجتهاد کما یختلف المجتهدون[۴]

(یعنی صحابہ کرامؓ سب کے سب عادل ہیں اور آپس کی لڑائیوں وغیرہ میں تاویل کرنے والے تھے، اور ان میں سے کوئی چیز ان میں کے ایک شخص کو بھی عدالت سے خارج نہیں کر سکتی، کیونکہ وہ مجتہد تھے، اجتہاد کے مواقع پر ان حضرات کا اختلاف ہوا ہے جیسے ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہوتا ہے۔)

امام الحرمین فرماتے ہیں کہ ان حضرات صحابہؓ کی عدالت میں غور و فکر نہ کرنے کا سبب

۱؎ بقرہ آیت نمبر ۱۴۳ ۲؎ آل عمران آیت نمبر ۱۱۰، ۳؎ اخرجہ الشیخان ۴؎ شرح مسلم ج ۲ ص ۲۷۲ باب فضائل الصحابہ

یہی ہے کہ یہی حضرات دراصل شریعت کے حامل ہیں، پس اگر ان کی روایت میں بھی توقف کیا جائے، تو شریعت آپ ہی کے عہد کے ساتھ منحصر ہو کر رہ جائے گی، اور آپؐ کے وصال کے بعد دین و شریعت کی بنیاد باقی نہیں رہے گی۔[1]

یہی وجہ ہے کہ علمائے اُمت نے بعد کے رواۃ کی طرح صحابۂ کرامؓ پر جرح و تنقید کو ناجائز قرار دیا ہے، کیونکہ یہ پوری جماعت عادل و ثقہ ہے ؎

لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

بہرحال صحابۂ کرامؓ کی پوری جماعت پوری اُمت میں ممتاز و افضل ہے، مگر ان کے آپس میں مختلف درجات تھے، تاہم اس پر اتفاق ہے کہ نبیؐ کے سوا کوئی بشر معصوم نہیں پیدا کیا گیا، بشریت کے تقاضے سے بعض باتوں کا ان سے صدور ہوا، جیسے حضرت ماعز اسلمیؓ[2] نعمان[3] بن عمرو انصاری، مغیرہ[4] بن شعبہ اور وحشیؓ، حضرت عمرو بن العاصؓ و امیر معاویہ وغیرہم رضی اللہ عنہم، تاریخ و حدیث کی کتابوں میں واقعی ان سے بڑی بڑی لغزشوں کا تذکرہ ملتا ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا، مگر ان صحابۂ کرامؓ کی طرف کسی زمانے میں اس جرم کے انتساب کی جرأت نہیں کی گئی کہ جان بوجھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسی صحابی نے کوئی غلط بات منسوب کر دی تھی، حضرت انسؓ فرماتے ہیں

واللہ ماکنا نکذب ولا کنا ندری ماالکذب۔[5] — واللہ نہ ہم جھوٹ بولتے تھے اور نہ جانتے تھے کہ کذب کسے کہتے ہیں۔

(۱) تدریب الراوی طبع قدیم ص۲۰۴ (۲) طبقات ابن سعد ج ۴ ص۳۱۲، (۳) الطبقات الکبریٰ لابن سعد ج ۳ ص۴۹۳ (۴) حوالہ مذکور ج ۴ ص۲۸۴ (۵) الجامع الاخلاق الراوی و آداب السامع ص۱۲ و اوردہ السیوطی فی مفتاح الجنۃ ص۲۵

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لیس کلنا کان یسمع حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کانت لنا ضیعۃ واشغال ولکن الناس لم یکونوا یکذبون یومئذ فیحدث الشاھد الغائب(۱)

ہم میں سے سب ہی لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو نہیں سن سکتے تھے، ہمارے پاس جائدادیں اور بہت سے مشاغل تھے، لیکن اس دور میں لوگ (صحابہ کرامؓ) جھوٹ نہیں بول سکتے تھے، (حضورؐ کی حدیث کو) حاضر غائب تک پہنچاتا تھا۔

حضرت انس فرماتے ہیں:-

"ہم لوگ (یعنی صحابہ کرامؓ) باہم ایک دوسرے کو متہم نہیں کرتے تھے(۲)۔ یعنی ہم میں سے کوئی دوسرے کے بارہ میں یہ بدگمانی نہیں کرتا تھا کہ وہ دانستہ غلط بیانی کر رہا ہے۔ حالانکہ ہمیں بکثرت ایسی مثالیں حدیث کی کتابوں میں ملتی ہیں کہ اس اعتراض کے سوا دوسری قسم کی تنقیدوں کا ان میں آپس میں رواج تھا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے جب یہ حدیث سنائی: "توضئوا مما غیرت النار" (آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو کر لیا کرو) الخ حضرت ابن عباسؓ نے اس پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا، کیا گرم پانی استعمال کرنے سے بھی وضو کروں؟

"حضرت ابن عباسؓ کا مطلب یہ تھا کہ ابوہریرہؓ کو اس بارے میں یعنی کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ اسی طرح "ان المیت یعذب ببکاء اہلہ علیہ" (گھر والوں کے رونے سے مردے پر عذاب ہوتا ہے)

(۱) المحدث الفاصل، ج ۲ ص ۳۲ و ۳۳ و الجامع الاخلاق الراوی ص ۱۲ (۲) طبقات ابن سعد ج ۲ ص ۱۳ (۳) رواہ ابن ماجہ باب الوضوء مما غیرت النار

اس حدیث کو حضرت عمرؓ اور ان کے صاحب زادے ابن عمرؓ بیان کرتے تھے، حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ نے سُنا، تو اس پر آپ نے اعتراض کیا، مگر کن الفاظ میں فرمایا۔ "رحم اللہ عمر وابن عمر ما ھما بکاذبین ولا مکذبین ولا متزیدین(۱)، (رحم کرے اللہ عمرؓ اور ابن عمرؓ پر نہ تو یہ دونوں غلط بیانی سے کام لینے والے ہیں اور نہ جھوٹ منسوب کرنے والے ہیں، اور نہ بڑھا کر بات بنانے والے ہیں؛ بلکہ ان کو غلط فہمی ہوئی ہے(۲)۔"

ان احادیث میں اختلاف کا منشا کیا ہے؟ اسکی تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو شروح حدیث فتح الباری وعمدۃ القاری وغیرہ۔ یہاں تو صرف یہ دکھانا ہے کہ صحابہ کرامؓ کا باہم مرادِ معنیٰ کی تعیین میں اختلاف بھی ہوا ہے(۳)۔ مگر کسی صحابیؓ نے دوسرے صحابی پر کذب علی النبیؐ کا الزام نہیں لگایا، جب فاطمہؓ بنت قیس کی طلاق والی حدیث حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کی گئی تو فاروق اعظم نے اس کو قرآن اور سنت نبویؐ کے خلاف سمجھتے ہوئے بھی بھول چوک اور نسیان سے آگے کی کوئی بات ان کی روایت کے متعلق نہیں کہی، بلکہ فرمایا:

لانترک کتاب اللہ وسنۃ	اللہ کی کتاب اور اُس کے نبیؐ کی
نبیہ صلی اللہ علیہ وسلم	سنت کو کسی ایک عورت کے بیان
بقول امراۃ لاندری احفظت	کی وجہ سے ہم نہیں چھوڑیں گے

(۱) مسند امام احمد ج ۶ ص ۲۸، (۲) اس پر ایک نہایت لطیف تقریر حضرت الاستاذ مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث مد ظلہ کی ہے ملاحظہ ہو الاعتدال فی مراتب الرجال ص ۲۲، (۳) تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو عین الاصابہ فیما

او نسیت (۱)۔ جس کے متعلق ہم نہیں جانتے کہ اسے بات ٹھیک یاد رہی یا بھول گئی۔

اسی لیے علمائے اُمت کا اتفاق ہے، کہ اگر ایک صحابیؓ دوسرے صحابی کے لیے کَذَبَ فلانؓ کہے تو اس سے جھوٹ کے معروف معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ اس کے معنی خطاء اجتہادی کے ہیں، ابن حبان کتاب الثقات میں تحریر فرماتے ہیں

اھل الحجاز یطلقون کذب فی موضع اخطأ۔	اہل حجاز کا محاورہ ہے کہ وہ اَخْطَأَ کی جگہ کَذَبَ بولتے ہیں (۲)

علامہ خطیب بغدادی صحابۂ کرامؓ کے فضائل و مناقب میں بہت سی آیات و احادیث لکھنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں

وجمیع ذلک تقتضی القطع بتعدیلھم ولایحتاج احد منھم مع تعدیل اللہ لہ الی تعدیل احد من الخلق علی انہ لولم یرد من اللہ عزّوجل ورسولہ فیھم شئ مماذکرنا لاوجبت الحال التی کانوا علیھا من الجھاد والھجرۃ والنصرۃ و بذل المھج والاموال وقتل الآباء	یہ سارے دلائل (جو بیان کیے گئے) انکی عدالت کے قطعی طور پر مقتضی ہیں ان میں کا ایک فرد بھی اللہ تعالٰی کے عادل قرار دینے کے بعد مخلوق کی تعدیل کا محتاج نہیں ہے۔ ان صحابۂ کرامؓ کے متعلق اگر اللہ اور رسول کے وہ ارشادات وارد نہ بھی ہوئے ہوتے جن کا ہم نے ذکر کیا ہے، اور جن میں ان کی مدح اور تعریف و توثیق کی گئی ہے، تب بھی

(۱) جامع ترمذی ج ۲ ص ۱۶۱ (۲) مقدمہ فتح الباری ص ۴۲۶

والاولاد والمناصحة فی الدین وقوۃ الایمان والیقین القطع بتعدیلھم والاعتقاد لنزاھتھم وانھم افضل من جمیع الخالفین بعدھم والمعدلین الذین یجیئون فی بعدھم ھذا مذھب کافۃ العلماء الخ (۱)

ان کے جو حالات تھے یعنی راہ خدا میں جہاد، ہجرت و نصرت، جان و مال کی قربانی اللہ کی رضا کے لیے اپنے آباء و اجداد اور اولاد و اقارب کے قتل پر بھی آمادہ ہو جانا اور دین کی خیر خواہی اور اللہ و رسول کی وفاداری اور ایمان و یقین کی قوت، تو جو شخص بھی ان کے ان حالات کو پیش نظر رکھے گا وہ قطعی طور سے ان کے عادل ہونے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وہ غلط بات کا انتساب نہیں کر سکتے تھے) اور ان کے پاک دامن ہونے کا فیصلہ کرے گا اور یہ کہ یہ حضرات تمام بعد میں آنے والوں اور بعد کے عدالت بیان کرنے والوں سے افضل ہیں، اس پر جمہور علماء کا اتفاق ہے۔

ابوزرعہ رازی جماعت صحابہ کی عدالت کے بارے میں فرماتے ہیں:۔

"جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابۂ کرامؓ میں سے کسی فرد کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ زندیق ہے، اس لیے کہ رسولؐ برحق ہیں، قرآن برحق ہے، اور جو کچھ رسولؐ لاتے ہیں وہ برحق ہے۔ ان سب کے ہمارے لیے صحابۂ کرامؓ ناقل ہیں۔ یہ زنادقہ ہمارے گواہوں کو مجروح کرنا چاہتے ہیں تاکہ کتاب و سنت کو باطل کر دیں اس لیے یہ خود بدرجۂ اولیٰ مجروح ہیں (۲)۔ بلکہ ان حضرات صحابۂ کرام کی موجودگی میں اہل بدعت کا وجو

(۱) الکفایۃ فی فنون الروایۃ صفحہ ۴۹ (۲) فتح المغیث ص ۳۷۵

نہ چلتا تھا جب کسی چیز میں اختلاف ہوتا تو لوگ ان کی طرف رجوع کرتے اور فتنہ دب کر رہ جاتا - امام بخاری نے تاریخ کبیر میں قتادہ تابعی سے نقل کیا ہے، کہ جب حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا تو مورق کہنے لگے :-

ذهب اليوم نصف العلم (آج نصف علم اُٹھ گیا) جب ان سے دریافت کیا گیا کہ یہ کیوں کر؟ تو کہنے لگے کہ :-

كان الرجل فى اهل الاهواء اذا خالفنا فى الحديث قلنا تعال الى من سمعه من النبى صلى الله عليه وسلم۔ (۱)	جب اہل بدعت میں سے کوئی شخص کسی حدیث کے بارے میں ہماری مخالفت کرتا تو ہم اس سے کہا کرتے کہ آؤ ان کے پاس چلو جنھوں نے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے -

بصرہ کے صحابہؓ میں سب سے آخر میں جس نے وفات پائی وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہیں - آپ کا انتقال ۹۳ھ یا ۹۵ھ میں ہوا ہے -

تاریخ شاہد ہے کہ حضرات صحابہؓ اپنے ماں، باپ، بیوی، بچوں بلکہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی زندگی کو عزیز رکھتے تھے - اس لیے انھوں نے حدیث وسنت کے سرمایہ کی تعامل و توارث اور حفظ و کتابت کی راہ سے پاسبانی کی اور ان حضرات نے دین کی اس امانت کو اپنے شاگردوں یعنی تابعین تک بے کم و کاست پہنچایا

راویانِ حدیث کی دوسری صنف یعنی تابعینؒ

تابعینؒ اُن کو کہتے ہیں جنھوں نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا اور ان سے فیض پایا، عام اس سے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ

(۱) تہذیب التہذیب ترجمہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ،

علیہ وسلم کے زمانے میں موجود ہوں مگر آپ کی زیارت کا موقع نہ ملا ہو، یا عہد نبوی کے آخر میں پیدا ہوئے ہوں، اس لیے آپ سے فیضیاب نہ ہو سکے ہوں، یا آپ کی وفات (ربیع الاول ۱۱ھ) کے بعد پیدا ہوئے ہوں، یہ سب تابعین میں داخل ہیں (۱)

یہ جماعت تابعین "وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ" کا مصداق ہے، یہ طبقہ اگرچہ صحابہ کرامؓ کے مرتبہ پر نہیں مگر ان کا نمونہ ضرور ہے، انھوں نے صحابہؓ کی زندگی کو اپنایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقائع، حالات اور احکام و قضایا کی تعلیم و تبلیغ اور اشاعت میں بلیغ اہتمام کیا۔ صحابہ کرام سے ان تمام روایات، واقعات اور حالات کو پوچھ پوچھ کر، ایک ایک کے دروازے پر جاکر، بوڑھے، جوان، مرد، عورت سے تحقیق کر کے حدیث و سنت کے ذخیرے کی حفاظت کی۔ محمد بن شہاب زہری، ہشام بن عروہ، قیس بن ابی حازم، عطاء بن ابی رباح، سعید بن جبیر، ابو الزناد وغیرہ سیکڑوں تابعین ہیں جنھوں نے دن رات ایک کر کے گوشہ گوشہ سے دانہ دانہ جمع کیا۔ امام مکحول دمشقی جلیل القدر تابعی ہیں، اپنی تعلیمی روئداد بیان کرتے ہیں۔

اعتقت بمصر فلم ادع بہا	میں مصر میں غلامی سے آزاد کیا گیا،
علما الاحویتہ فیما اری ثم	آزاد ہونے کے بعد مصر میں علم (مراد
اتیت العراق ثم المدینۃ فلم ادع	علم حدیث) کا جو ذخیرہ تھا، جہاں تک
بہما علما الاحویتہ فیما اری	میرا خیال ہے، اس پر میں حاوی ہوگیا،
ثم اتیت الشام فغربلتہا (۲)	پھر عراق پہنچا، اس کے بعد مدینہ منورہ

حاضر ہوا۔ ان دونوں شہروں میں جو علم پھیلا ہوا تھا، اس کو بھی میں نے جہاں تک

---

(۱) توجیہ النظر ص ۱۷۳ ۔ ۵۲ تذکرۃ الحفاظ ص ۲۷۵

میں سمجھتا ہوں سمیٹ لیا۔ پھر شام آیا، اور یہاں کے علم کو میں نے چھلنی میں چھان لیا۔

علم حدیث کی طلب میں اور اس کے ساتھ شغف کا یہ عالم تھا کہ ایک ایک شہر میں ہزارہا طالبین ہوتے تھے، محمد بن سیرین جلیل القدر تابعی ہیں، بیان فرماتے ہیں

قدمت الکوفۃ وبہا اربعۃ الاف یطلبون الحدیث (۱)

میں کوفہ آیا تو وہاں حدیث کے ہزارہا طالب علم موجود تھے۔

محدث حاکم نیشاپوری نے "معرفۃ علوم الحدیث" کی "النوع التاسع والاربعین" میں زیر عنوان " معرفۃ الائمۃ الثقات المشہورین فی التابعین واتباعہم ممن یجمع حدیثہم للحفظ والمذاکرۃ والتبرک بہم وبذکرہم فی الشرق الی الغرب" (یعنی تابعین اور تبع تابعین میں سے ان مشاہیر ائمہ ثقات کا تعارف جن کی حدیثیں حفظ و مذاکرہ کے لیے، اور ان سے اور ان کے ذکر سے برکت حاصل کرنے کے لیے مشرق سے لے کر مغرب تک یعنی سارے عالم اسلامی میں جمع کی جاتی ہیں) بلاد اسلامیہ کے ان تمام ائمہ ثقات تابعین و تبع تابعین کے نام گناتے ہیں، جو دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں پھیلے ہوئے تھے اور اس عنوان کے تحت آسکتے تھے۔ حضرات تابعین کے جو حالات تذکرہ کی کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں، ان کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان حضرات نے حدیث وسنت کی تحصیل میں ہر طرح کی قربانیاں دیں اور علم کی جو دولت انھیں اپنے اساتذہ یعنی صحابۂ کرامؓ سے ملی تھی اور حدیث وسنت کا جو سرمایہ تعامل و توارث اور حفظ کتابت

(۱) تدریب ص۲۷۵

کی راہ سے منتقل ہوکر ان حضرات کے پاس آیا تھا، اس کو انھوں نے پورے حزم و احتیاط کے ساتھ اپنے تلانذہ یعنی تبع تابعین کے حوالہ کیا۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ طبقۂ تابعین میں انتہائی تحقیق و تفتیش اور غایت درجہ تنقید کے بعد بھی کوئی راوی کاذب نہیں ملا۔(۱)

حافظ سخاوی حدیث "مرسل" کے باب میں فرماتے ہیں:۔

ان احتمال الضعف بالواسطة	ضعف کا احتمال واسطے میں جہاں
حیث کان تابعیا لاسیما بالکذب	تابعی ہوں، بالخصوص کذب کی بنیاد پر
بعیدا جدا، فانه صلی الله	بہت ہی بعید ہے، کیونکہ آنحضرت
علیه وسلم اثنیٰ علیٰ عصر	صلی اللہ علیہ وسلم نے تابعین کے عصر
التابعین وشهد له، بعد	کی مدح کی ہے، اور صحابہؓ کے بعد
الصحابة بالخیریة کما تقدم	ان کے زمانے کے لیے بھی بھلائی کی
بحیث استدل بذلک علی	شہادت دی ہے۔ چنانچہ اس سے
تعدیل اهل القرون الثلاثة	قرون ثلاثہ (صحابہؓ وتابعینؒ وتبع تابعین
وان تفاوتت منازلهم	کے ادوار) کی عدالت پر استدلال کیا
بالفضل (۲)	گیا ہے۔ اگرچہ فضیلت کے لحاظ سے

ان کے درجات میں تفاوت ہے

حافظ شمس الدین سخاوی ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:۔

"پہلی صدی ہجری جو صحابہؓ وتابعین کے دور میں گزری، اس میں حادث

(۱) حجیت حدیث ص۱۲۵ بحوالہ تذکرۃ الحفاظ (۲) فتح المغیث ص۵۶

اعور، اور مختار کذاب جیسے اکّا دکّا اشخاص کو چھوڑ کر کسی ضعیف الروایۃ شخص کا تقریباً وجود نہ تھا، پھر پہلی صدی گزر کر جب دوسری آئی تو اس کے اوائل میں اوساط تابعین کی ایک جماعت ہوئی جو زیادہ تر حدیث کو زبانی یاد رکھنے اور اپنے ذہن میں محفوظ رکھنے کے لحاظ سے ضعیف سمجھی گئی۔“ (۱)

حافظ سخاوی فرماتے ہیں :۔

”خلف بن خلیفہ آخری تابعی ہیں جن کے بعد تابعین کے وجود سے بزم عالم خالی ہوگئی، اور ان کی وفات ۱۸۱ھ میں ہوئی ہے“ (۲)

فتنہ کا آغاز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اخیر دور خلافت میں تقدیر الٰہی سے کچھ ایسے حالات پیدا ہوگئے کہ فتنوں نے سر نکالا، اور اسلام کے خلاف ایک عجیب و غریب تحریک شروع ہوئی۔ اس تحریک کا بانی عبداللہ بن سبا یہودی تھا جو اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کرتا تھا، اس کا خاص نصب العین یہ تھا کہ لوگوں کو یہ باور کرایا جائے کہ صحابہ کرامؓ میں سے نہ تو کوئی اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا سچّا دوست تھا اور نہ ہی (معاذ اللہ) آپؐ سے انھیں کوئی عقیدت تھی۔ ظاہر بات ہے کہ جماعت صحابہؓ سے اگر اعتماد اُٹھ جائے تو دین کا سارا ایوان ہی مسمار ہو کر رہ جائے گا، اس فتنے نے زور پکڑا، بالآخر اسی کے نتیجہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں مسلمان خانہ جنگیوں میں مبتلا ہو گئے۔ موقع پا کر یہ سبائی پارٹی حضرت علیؓ کی فوج میں گھُل مل گئی۔ مؤرخین کا اتفاق ہے کہ جنگ ”جمل“ کا واقعہ مطلقاً پیش نہ آتا۔ اگر یہ سبائی جماعت صلح کو جنگ سے بدلنے میں کامیاب نہ ہوئی ہوتی۔

---

(۱) الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ ص ۱۶۳ (۲) فتح المغیث ص ۳۹۶

جنگ "جمل" کے بعد صفین و خوارج وغیرہ کی لڑائیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر یہ سبائی جماعت اپنے خیالات اور بے سروپا روایات پھیلاتی رہی۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: "اول من کذب عبداللہ بن سبا"[2] روایات کے سلسلہ میں جس شخص نے جھوٹ چلایا، وہ عبداللہ بن سبا تھا) یعنی اس نے سب سے پہلے جھوٹی حدیثوں کا دھواں فضا میں پھیلانے کی کوشش کی۔ بالآخر حضرت علیؓ اس سازش سے واقف ہوئے اور آپ تک عبداللہ بن سبا اور اس کے ساتھیوں کی باتیں پہنچائی گئیں۔ حضرت والا سخت ناراض ہوئے اور فرمایا:۔

"ومالی ولھذا الخبیث الاسود" (اس سیاہ کالے خبیث سے مجھے کیا علاقہ)

اور اعلان عام کر دیا، کہ جو اس طرح کی باتیں کرے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ بالآخر حضرت علیؓ نے اس جماعت سے دارو گیر میں سختی سے کام لیا۔

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:۔

قد احرقھم علیؓ فی خلافتہ[3] یعنی ان لوگوں کو حضرت علیؓ نے اپنی خلافت کے زمانے میں آگ میں ڈلوا دیا۔

فی الواقع یہ لوگ حضرت علیؓ کے خدا ہونے کا اعتقاد رکھتے تھے[4]

اس جماعت کے نمائندے کوفہ، بصرہ، شام، مصر و حجاز ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے۔ اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پوری قوت سے اس فتنے کو دبایا اور لوگوں کو اس جماعت کی سازش سے آگاہ کیا۔ علامہ ذہبی نے حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے۔

قاتلھم اللہ ای عصابۃ بیضاء خدا انھیں ہلاک کرے، کتنی روشن جماعت کو

---

(۱) ماخوذ از تدوین حدیث ص۳ از مولانا گیلانیؒ (۲) لسان المیزان ج ۳ ص ۲۸۹ (۳) لسان المیزان ج ۳ ص ۲۸۹ (۴) حوالہ مذکور ج ۳ ص ۲۸۹

سوّدوا وای حدیث من حدیث	انھوں نے سیاہ کیا اور رسول اللہ
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کی کتنی حدیثوں کو
افسدوا (۱)	انھوں نے بگاڑا ،

حافظ ابن تیمیہ فرماتے ہیں :۔

" دور صحابہؓ میں بعد کے ادوار کے مقابل میں بہت کم فتنے تھے، لیکن جتنا زمانہ عہد نبوت سے دور ہوتا گیا، اختلاف و گروہ بندی کی کثرت ہوتی چلی گئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں کوئی بدعت کھل کر سامنے نہیں آئی، مگر ان کی شہادت کے بعد لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم ہو گئے اور دو مقابل کی بدعتوں کا ظہور ہوا، ایک خوارج کی بدعت جو (معاذ اللہ) حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تکفیر کرتے تھے اور دوسری روافض کی بدعت جو حضرت علیؓ کی امامت اور عصمت کی مدعی تھے، بلکہ روافض میں سے بعض انکی نبوت کے اور بعض الوہیت تک کے قائل تھے (۲)"

اس کے بعد اسلام میں مختلف فرقوں کے ظہور کی تاریخ بیان ہے۔ ان فرق ضالہ میں سب سے زیادہ وضع حدیث کا کام روافض نے انجام دیا ہے۔ وضع حدیث اور اس کے اسباب پر مفصل کلام مصطفےٰ سباعی مرحوم نے اپنی مشہور کتاب " السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی " میں کیا ہے، اگر کوئی اس کی تفصیل معلوم کرنا چاہتا ہو تو اسے اسکا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

ظہور فتنہ کے بعد روایت حدیث میں احتیاطی تدابیر

صحابہ کرامؓ اور تابعین عظامؒ نے پوری قوت سے اس فتنہ کی بیخ کنی کرنے کی کوشش کی، سبائی پارٹی جو

(۱) تذکرۃ الحفاظ ص ۱۲ ج ۱ ، (۲) المنتقی فی منہاج الاعتدال ص ۳۸۶

جھوٹی حدیثوں کا دُھواں فضا میں پھیلانے کے لیے کوشاں تھی، چونکہ اس کا علم حضرت علیؓ رضی اللہ عنہ کو بھی ہو گیا تھا، اس لیے اس فتنہ کے رونما ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے صحیح وغلط کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کے لیے ایک عمومی ضابطہ بیان فرمایا، جس کو علامہ ذہبی نے نقل کیا ہے :-

حدثوا الناس بما یعرفون و	لوگوں سے انھیں باتوں کو بیان کرو
دعوا ما ینکرون الخ	جنھیں وہ جانتے ہوں، اور جن سے

وہ آشنا نہ ہوں، ان کو بیان نہ کرو۔

حافظ ذہبی اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

"حدیثوں کے پرکھنے کے لیے یہ ایک معیار وکسوٹی ہے کہ مُنکر و واہی احادیث کے بیان کرنے سے باز رہا جائے۔ خواہ فضائل سے متعلق ہوں یا عقائد ورقاق سے، اور اس سے واقفیت رجال کی معرفت کے بغیر ممکن نہیں[1]"۔

اللہ رب العزت جس نے اپنے دین کو قیامت تک اپنی اصلی و صحیح صورت میں باقی رکھنے کا فیصلہ فرمایا ہے اور اس کا یہ فیصلہ کہ اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اہل اہواء وملحدین کی دست بُرد سے محفوظ رہے۔ اس لیے امت میں ایسے لوگوں کو اس کی حفاظت کے لیے پیدا فرمایا، جنھوں نے حق و باطل، صحیح و موضوع میں تفریق قائم کی اور ان مفسدین کے فتنے سے حدیث و سنت کے سرمایہ کی پاسبانی کی صحابہؓ و تابعینؒ اور بعد کے ائمہ نے عہد صحابہؓ سے تدوین سنّت کے زمانہ تک جو کوششیں صرف کی ہیں، انھیں دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔

(۱) تذکرۃ الحفاظ ج ۱، ص ۱۲

بہر حال فتنہ کے بعد علماء امت نے روایت حدیث کے سلسلے میں خصوصیت سے رجال کی تحقیق اور اسناد کا خصوصی التزام کیا۔

اسناد کا التزام اور رجال کی تحقیق

ظہور فتنہ کے رونما ہونے کے بعد راویان حدیث کے حالات معلوم کرنے کی بھی ضرورت پڑی۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں

لم یکونوا یسألون عن الاسناد	لوگوں سے اسناد کے بارے میں نہیں
فلما وقعت الفتنة قالوا سموا	پوچھا جاتا تھا لیکن جب فتنہ پھیلا تو
لنا رجالکم فینظر الی اهل السنة	حدیث بیان کرنے والوں سے یہ کہا جانے
فیوخذ حدیثهم وینظر الی	لگا کہ اپنے راویوں کے نام بتاؤ،
اهل البدع فلا یوخذ حدیثهم (۱)	اگر وہ اہل سنت میں سے ہیں تو انکی

روایات قبول کی جائیں گی، اور اگر وہ اہل بدعت میں سے ہیں، تو ان کی روایات قبول نہیں کی جائیں گی۔

صحابۂ کرامؓ و تابعین جس صدق و امانت اور اخلاص کے مقام پر تھے، اس کی بنا پر ہر وقت اسناد کا التزام نہیں رکھتے تھے، کبھی سند کے ساتھ حدیثوں کو نقل کرتے اور کبھی ترک کر دیتے تھے، مگر حدیث کی کتابوں میں بہت سی ایسی مثالیں موجود ہیں کہ صحابۂ کرامؓ ظہور فتنہ سے پیشتر بھی اکثر اسناد کے ساتھ حدیثوں کو نقل کرتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت براءؓ بن عازب سے یہ حدیث بیان کی:-

عن فاطمة اخبرته ان رسول الله صلی الله علیه وسلم امرها ان تحل نحلت ونضحت البیت بنضوح۔ (۲)

(۱) مقدمہ صحیح مسلم ص۱۱ (۲) السنۃ قبل التدوین ص۲۲۱ بحوالہ الجامع الاخلاق الراوی وآداب السامع

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو نقل کرتے تھے، جن کو وہ براہ راست نہیں سن سکتے تھے۔

صحابہ کرامؓ بھی آپس میں ایک دوسرے کے واسطے سے حدیثوں کو روایت کیا کرتے تھے۔ (۱)

نیز عربوں کی خصوصیات میں سے تھا کہ وہ اکثر زمانۂ جاہلیت میں بھی اشعار و حکایات کو سند کے ساتھ نقل کرتے تھے۔ (۲)

اس لیے حدیثوں کو بھی صحابہ و تابعین عام طور پر اسناد کے ساتھ ہی بیان کرتے اور کبھی ترک بھی کر دیا کرتے تھے مگر ظہور فتنہ سے پہلے اسناد میں تحقیق و تفتیش کی چنداں ضرورت نہ تھی، اور نہ ان کا التزام تھا، لیکن اس کے بعد اس کا خصوصیت سے التزام کیا جانے لگا۔

امام مسلم نے اپنے صحیح کے مقدمہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ:۔

"بُشیر بن کعب عدوی ابن عباس کی خدمت میں حاضر ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر کے کچھ حدیثیں بیان کرنے لگے، مگر حضرت عباسؓ کا یہ حال تھا کہ:۔

لا یأذن لحدیثہ ولا ینظر الیہ — ابن عباس نہ ان کی حدیثوں کی طرف کان لگاتے تھے اور نہ کوئی توجہ فرماتے تھے۔

بُشیر کو تعجب ہوا۔ اس پر حضرت ابن عباسؓ نے بُشیر کے سامنے اپنا ایک حال ان الفاظ میں

(۱) البدایہ والنہایہ ج ۹ ص ۱۰۸ و سیر اعلام النبلاء ج ۲ ص ۴۳۶ (۲) مصادر الشعر الجاہلی ص ۲۵۵

بیان کیا:۔

انا کنا اذا سمعنا رجلا یقول	ایک زمانہ ہم پر ایسا گزرا ہے کہ جب
قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	ہم سنتے کہ کوئی آدمی قال رسول اللہ
ابتدرته ابصارنا واصغینا الیہ	صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہا ہے تو ہماری
اذاننا فلما رکب الناس الصعب	نگاہیں فوراً اسکی طرف اٹھ جاتی تھیں
والذلول لم ناخذ من الناس الا	اور ہم ہمہ تن گوش ہو کر اس کی بات کو
مانعرف۔	سنتے تھے۔ پھر جب لوگ ہر سرکش،

(اونٹ) اور غیر سرکش پر سوار ہونے لگے (یعنی غلط و صحیح میں تیز جاتی رہی اور رطب و یابس ہر طرح کی باتیں بیان کرنے لگے) تو اب ہم صرف انھیں حدیثوں کو قبول کرتے ہیں جنھیں ہم خود جانتے ہیں۔

حضرت ابن عباسؓ کے قول کی شرح مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ میں کی ہے:۔

ای مایوافق المعروف اونعرف	یعنی جو جانی پہچانی ہوئی روایتوں
فیہ امارات الصحۃ وسمات	کے موافق ہوں یا ان میں صحت کی
الصدق (۱)	نشانیاں اور سچائی کی علامتیں پائی جائیں

ابن عباسؓ کے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ظہور فتنہ اور روایت میں تساہلی کے بعد عام طور پر صحابۂ کرامؓ نے روایات کے بیان کرنے اور دوسروں سے سننے میں حزم و احتیاط اور تحقیق کی روش اختیار کر لی تھی تاکہ کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے

(۱) فتح الملہم ص۱۲۸ ج ۱

فتنے کا پوری طرح سد باب ہو جائے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ صحابہ کرامؓ کے تلامذہ یعنی تابعین جنھوں نے اپنے اساتذہ سے روایتیں کی ہیں، اسی اصول کی پابندی کرنے لگے۔

محمد بن سیرین سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا:۔

هذا الحديث دين فانظروا — یہ حدیث دین ہے، پس خوب غور کرو،

عمن تاخذون دينكم — ان لوگوں کے بارے میں جن سے تم دین حاصل کر رہے ہو۔(۱)

شعبی نے ربیع بن خثیم سے روایت کی کہ ربیع نے روایت بیان کی:۔

من قال لا اله الا الله وحده لا شريك له الخ امام شعبی فرماتے ہیں کہ میں نے ربیع بن خثیم سے دریافت کیا کہ آپ سے اس حدیث کو کس نے بیان کیا؟ تو انھوں نے جواب دیا کہ عمرو بن میمون اودی نے، اس کے بعد میری ملاقات عمرو بن میمون اودی سے ہوئی، میں نے عرض کیا کہ آپ سے کس نے اس حدیث کو بیان کیا تو انھوں نے جواب دیا عبدالرحمٰن بن ابی لیلی نے، پھر میری ملاقات ابن ابی لیلی سے بھی ہوئی، تو میں نے دریافت کیا کہ آپ سے کس نے اس حدیث کو بیان کیا؟ تو انھوں نے جواب دیا حضرت ابو ایوب انصاریؓ نے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابیؓ ہیں(۲)۔

یحییٰ بن سعیدؒ فرماتے ہیں:

وهذا اول من فتش عن الإسناد(۳) — یہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اسناد کے بارے میں تحقیق و تفتیش سے کام لیا۔

(۱) مقدمہ صحیح مسلم ص۱۱ و شمائل ترمذی ص۳ (۲) مقدمۃ التمہید از عبدالبر مالکی ص۱۴ (۳) المحدث الفاصل ص۲۰

تابعین اور تبع تابعین اکثر باہم احادیث کا مذاکرہ بھی کرتے تھے اور یہ حضرات صرف ان ہی حدیثوں کو قبول کرتے تھے جو جانی و پہچانی ہوتی ہوں، اور ان کو ترک کردیتے جو نہیں پہچانی جاتی تھیں ۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں :۔

"ہم حدیث کو سنتے تھے، اور اس کو اپنے اصحاب کے سامنے اس طرح پیش کرتے تھے جیسے کھوٹے درہم کو صراف کے سامنے پیش کرتے ہیں، جن کو وہ حضرات پہچانتے تھے انھیں ہم قبول کرتے ورنہ ترک کردیتے تھے"۔ (۱)

اعمش کہتے ہیں :

"ابراہیم نخعی حدیث کے صراف تھے، میں بہت سے لوگوں سے حدیثوں کو سنتا، پھر ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ان روایات کو ان کے سامنے پیش کرتا، چنانچہ زید بن وہب وغیرہ کے یہاں مہینے میں ایک دو مرتبہ حدیث کے سلسلے میں حاضری ہوتی اور ابراہیم نخعی کی خدمت میں حاضری سے مشکل ہی سے ناغہ ہوتا" (۲)

اسنادِ عالی کی اہمیت محدثین نے علوِ اسناد کو ایک قابلِ فخر چیز سمجھا ہے کیونکہ روایت میں جس قدر واسطے کم ہوں گے، اسی قدر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرب زیادہ ہوگا نیز راویوں کی کمی کی وجہ سے ان کی چھان بین بھی نسبتاً کم کرنی پڑے گی اور خطا و نسیان کا احتمال بھی کم ہوگا۔ اس لیے ائمہ فن کے ہاں اس کا بہت زیادہ اہتمام ہے اور ان کے تذکروں میں علو اسناد کا ذکر خصوصیت سے کیا جاتا ہے بلکہ خاص خاص ائمہ کی عالی سندوں کو تو علماء نے مستقل اجزاء میں علیحدہ مدون کیا ہے اور یہ فن کا ایک مخصوص شعبہ بن گیا۔ امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے پوچھا کہ اسنادِ عالی کے طلب کے بارے میں آپ کی

---

(۱) و (۲) الجرح والتعدیل، ج ۱ ص ۲۱ (۲) و ج ۱ ص ۱۷ ۔

کیا راز ہے؟ فرمایا: اسناد عالی طلب کرنا سلف کی سنت ہے، کیونکہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے تلامذہ آپ سے علم حاصل کرنے اور حدیثیں سُن لینے کے باوجود مدینہ منورہ کا سفر کرتے تھے، اور وہاں جاکر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے علم سیکھتے تھے، اور حدیثیں لکھتے تھے۔(۱)

کثیر بن قیس تابعی کہتے ہیں:۔

"میں دمشق میں حضرت ابوالدرداءؓ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا، دفعۃً ایک شخص نے ان سے آکر عرض کیا، ابوالدرداء! میں مدینۃ الرسولؐ سے چل کر آپ کے پاس آیا ہوں اور کسی دنیوی حاجت اور ضرورت سے نہیں آیا صرف ایک حدیث کے لیے آیا ہوں، جس کے متعلق معلوم ہوا ہے کہ آپ اسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان فرماتے ہیں —— حضرت ابوالدرداء نے جب یہ سُنا تو فضیلت علم کے بارے میں پہلے ایک حدیث اس شخص کو سُنائی۔ پھر جس حدیث کے سُننے کے لئے سفر کیا تھا، اس کو سنایا۔(۲)

خطیب بغدادی نے عبید اللہ بن عدی سے جو کبار تابعین میں سے ہیں نقل کیا ہے:۔

"مجھے ایک حدیث کے متعلق پتہ چلا کہ اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، دل میں خدشہ آیا کہ کہیں خدا نخواستہ ان کا انتقال ہو گیا تو پھر براہ راست ان سے وہ حدیث نہ سُن سکوں گا، بس فوراً ہی سفر شروع کر دیا، اور ان کی خدمت میں عراق پہنچ کر دم لیا۔"(۳)

(۱) مناقب الامام احمد از ابن جوزی ص۲۰۳ (۲) جامع ترمذی ج ۲ ص۹۳ (۳) فتح الباری ج ۱ ص۱۵۹

دارمی نے ابو العالیہ تابعی سے نقل کیا ہے کہ :-

"ہم بصرہ میں بعض صحابۂ کرام کی روایات (بالواسطہ) سنتے، مگر جب تک مدینہ منورہ جاکر خود انکی زبان سے نہ سن لیتے، ہمیں چین نہ آتا"(۱)

حفاظ حدیث کے تذکروں میں جہاں ان کی علمی رحلتوں کا تذکرہ ہے، وہاں اس کی بکثرت مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں۔

راویان حدیث کی تیسری صف تبع تابعین

اس طبقہ کی روایات تمامتر تابعین سے ہیں، جنھوں نے حدیثِ نبوی کے ساتھ صحابہ کرامؓ وخلفائے راشدینؓ کے احکام و فیصلے کو بھی محفوظ رکھا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ نے صحابہؓ وتابعین کے بعد اس طبقے کے بارے میں خیر و بھلائی کی شہادت دی ہے، فرمایا :-

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم (۲)

میری اُمت میں سب سے بہترین میرے دور کے لوگ، (یعنی صحابہ کرامؓ ہیں) پھر وہ جو اُن کے بعد ان سے متصل ہیں (یعنی تابعین) پھر وہ لوگ جو ان کے بعد اُن سے متصل ہیں (یعنی تبع تابعین)

اس طبقے میں بے شک کذب کا ظہور ہوا، اور اہل اہواء نے حق و باطل اور صدق و کذب کو خلط ملط کرنے کی کوشش کی، مگر حق تعالیٰ شانہ نے اپنی شریعت کی حفاظت کے لیے طبقہ تبع تابعین میں اصحاب بصیرت ائمہ و فقہاء امصار کی ایک بڑی جماعت کو کھڑا کردیا جنھوں نے بالقاء ربانی وبتائید یزدانی ہر راوی کے حالات معلوم کیے، اور جرح و تعدیل کے ذریعہ کھرے اور کھوٹے کو الگ الگ کرکے رکھ دیا، جیسے امام مالک،

(۱) سنن دارمی - ج ۱ ص ۴۲

(۲) اخرجہ الترمذی ص ۴۵ ج ۲

عبدالرحمٰن بن عمرو الاوزاعی، سفیان بن سعید ثوری، شعبہ بن حجاج عتکی، ابن جریج وغیرہ۔

اسی طبقۂ تبع تابعین میں یحییٰ بن سعید قطان، عبداللہ بن مبارک، محمد بن حسن شیبانی، ابراہیم بن طہمان کا شمار۔ (۱)

ان حضرات نے حدیث وسنت کے سرمایہ کی پوری طرح پاسبانی کی خلیفۂ ہارون الرشید کے دربار میں ایک زندیق کو قتل کے لیے لایا گیا، تو وہ کہنے لگا کہ تم مجھے تو قتل کردو گے لیکن ان ایک ہزار حدیثوں کا کیا کرو گے جو میں نے وضع کر کے چالو کردی ہیں۔

ہارون رشید نے فوراً جواب دیا:۔

فاین انت یا عدو اللہ عن ابی اسحق الفزاری وابن المبارک ینخلانہا فیخرجانہا حرفاً حرفاً (۲)

اے دشمنِ خدا! تو ابو اسحٰق فزاری اور ابن مبارک سے بچکر کہاں جاسکتا ہے جو ان کو چھلنی کی طرح چھان کر ایک ایک حرف نکال پھینکیں گے۔

حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ:۔

"تبع تابعین میں آخری شخص جس کا قول قبول کیا جاتا تھا، ان کا انتقال ۲۲۰ھ کے حدود میں ہوا ہے، اسی زمانہ میں بدعتوں کا کھلے عام ظہور ہوا، معتزلہ نے اپنی زبانوں کو دراز کیا، فلاسفہ نے سر اٹھایا اور اہلِ علم کو خلق قرآن کے مسئلے میں ابتلا پیش آیا۔ حالات میں بہت زیادہ تغیر آگیا۔ اس وقت تک برابر انحطاط ہی ہو رہا ہے۔ اللہ ہی حفاظت فرمائے (۳)

فن جرح وتعدیل | اب تک جو تفصیل کی گئی، اس سے یہ حقیقت واضح ہو کر سامنے

(۱) معرفۃ علوم الحدیث ص ۳۶ (۲) معرفۃ علوم الحدیث ص ۳۶ (۳) فتح المغیث ص ۳۹۹

آ گئی کہ روایت حدیث کی خدمت جن بزرگوں نے انجام دی، وہ ثقاہت وعدالت کے بہت اونچے مقام پر فائز تھے۔ یہ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے کہ آپؐ کی تعلیمات کو اس طرح محفوظ کیا گیا کہ از ابتدا، تا انتہا روایت کرنے والوں کا ایک جانا بوجھا اور پرکھا پرکھایا سلسلہ ہے۔ حدیثوں کے پرکھنے کے دو معیار ہیں۔ ایک معیار درایت یعنی عقلی حیثیت سے روایتوں کے پرکھنے کے اصول وقوانین، اور دوسرا معیار روایت۔ علم حدیث کے سلسلے میں محدثین نے پینسٹھ ۶۵ سے زائد علوم ایجاد کیے ہیں[1] ان میں سے بعض کا تعلق درایت سے ہے، اور بعض کا روایت (اسناد) سے، جن علوم کا تعلق اسناد سے ہے۔ اُن میں علم جرح وتعدیل سب سے مہتم بالشان ہے اور فن اسماء الرجال سے ان کا بہت گہرا تعلق ہے۔ حاکم ابوعبداللہ نیشاپوری نے اس کو علم حدیث کا ثمرۂ زینہ قرار دیا ہے اور صاحب کشف الظنون نے ان الفاظ میں تعارف کرایا ہے[2]

ھو علم یبحث فیہ عن جرح	یہ ایسا علم ہے کہ جس میں راویانِ
الرواۃ وتعدیلھم بالفاظ	حدیث کی جرح وتعدیل سے مخصوص الفاظ
مخصوصۃ وعن مراتب تلک	میں بحث کی جاتی ہے اور ان الفاظ کے
الالفاظ[3]۔	مراتب سے بھی گفتگو کی جاتی ہے،

محمد مارماڈیوک پکتھال نے اپنے ایک لکچر میں کہا ہے کہ اس میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال پوری احتیاط سے جانچنے اور پرکھنے کے بعد صرف مستند چیزوں کو تسلیم کیا جاتا ہے اور بعد میں آنے والے ماہرین فن اگلے لوگوں کے کام پر نظر ثانی کرتے، ہر حدیث کی سند دیکھتے، اور اس میں کوئی کمزوری پاتے تو اس روایت کو

(۱) مقدمہ ابن صلاح ص۶ (۲) معرفۃ علوم الحدیث ص۵۲ (۳) کشف الظنون ج ۳ ص۳۹ وتاریخ الخلفاء ص۱۹۲

کمزور کہہ دیتے۔[1]

جرح و تعدیل کی شرعی حیثیت رواۃ حدیث پر جرح و تعدیل کا معاملہ بہت پُر خطر ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ جرح کرنے والا ہوائے نفسانی سے خالی ہو تاکہ کسی مسلم پر افترا پردازی یا بے جا تعریف لازم نہ آئے کیونکہ دونوں باتیں شریعت میں مذموم ہیں، اس کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کسی راوی کو بغیر غور و فکر و واقفیت کے عادل قرار دے دیا گیا، تو پھر اندیشہ ہے کہ کہیں اس زمرہ میں شامل نہ ہو جائے، جس پر مشہور حدیث " من روی حدیثا وھو یظن انہ کذب[2]"، میں وعید آئی ہے، اور اگر بے احتیاطی سے جرح کر دی تو بے قصور مسلمان کی آبرو ریزی کی، اور اس پر ایسا بدنما داغ لگا دیا جس کا عار ہمیشہ باقی رہے گا، نیز اللہ و رسول کے ساتھ آدمی کی حق تلفی بھی ہو گی جو آخرت میں نقصان دہ اور دنیا میں ناراضگی اور منافرت کا سبب ہے اگر اس سے مقصود اللہ و اس کے رسولؐ اور اس کے دین اور مومنین کی خیر خواہی ہے تو یہ بیشک حق ہے اس پر ثواب بھی ملے گا، چنانچہ ابو تراب نخشی نے (اپنی سادگی) میں امام احمد کو اس سے منع کیا اور کہا کہ غیبت نہ کیجیے تو امام احمد نے جواب دیا۔ "ویحک ھذہ نصیحۃٌ" آپ کیا فرماتے ہیں؟ یہ غیبت نہیں ہے یہ تو عین خیر خواہی ہے۔ خود حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے:۔

اِنْ جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْا — اگر تم لوگوں کے پاس کوئی فاسق خبر لائے تو خوب تحقیق کر لو۔

نیز ایک منافق کے متعلق حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بئس اخو العشیرۃ"

(۱) اسلامی کشکول ص۵ بحوالہ دی کلچر سائڈ آف اسلام (۲) اخرجہ الترمذی ص۹۱ ج ۲

(یہ قبیلہ کا برا آدمی ہے) اور تعدیل کے سلسلے میں یہ حدیث پیش کی جاتی ہے "ان عبد اللہ بن عمر رجل صالح" (عبداللہ بن عمر ایک صالح آدمی ہیں) اس لیے علمائے محدثین و محققین نے غیبت اور جرح میں فرق کرتے ہوئے اس کو جائز قرار دیا ہے، اس پر اجماع ہے کہ یہ نہ صرف جائز بلکہ بضرورت واجب ہے(۱)

امام ترمذی تحریر کرتے ہیں کہ "جس اہل علم نے رجال پر کلام کیا ہے اور رواۃ کے ضعف کو بیان کیا ہے، ان کو اس پر (واللہ اعلم) مسلمانوں کے ساتھ خیر خواہی نے آمادہ کیا، کیونکہ ان حضرات کے بارے میں بیجا تنقید اور غیبت کا شبہ بھی نہیں کیا جا سکتا نیز ان حضرات نے جن رواۃ کے ضعف کو بیان کیا ہے وہ یا بدعتی ہیں، یا حدیث میں متہم ہیں، یا یہ لوگ مغفل تھے اور کثرت سے خطا کا صدور ہوتا تھا، پس ان حضرات ائمہ نے دین کے ساتھ خیر خواہی اور کامل احتیاط کے ساتھ پیش نظر ان رواۃ کے حالات کو بیان کیا ہے(۲)۔

علامہ نووی فرماتے ہیں:-

جرح رواۃ الحدیث جائز	یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ رواۃ حدیث پر
بالاجماع بل واجب للحاجۃ(۳)	جرح جائز ہے بلکہ دینی ضرورت کی وجہ سے واجب ہے۔

فن جرح و تعدیل کا آغاز جرح و تعدیل کا سلسلہ دور صحابہؓ ہی میں شروع ہو چکا تھا، خوارج و روافض کے ظہور کے بعد تحقیق و تفتیش ہی کے بعد روایت قبول کی جاتی تھی، حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری فرماتے ہیں کہ :-

(۱) ماخوذ از فتح المغیث ص۴۷۹ (۲) کتاب العلل ص (۳) ریاض الصالحین الاول ص ۳۲۹

"میں نے اپنی تصنیف "کتاب المزکیین لرواۃ الاخبار" میں جن صحابہ و تابعین وائمہ سے جرح وتعدیل ثابت ہے، ان کو دس طبقات پر تقسیم کیا ہے اور ہر طبقہ کے چار افراد کو لیا ہے، طبقہ اولیٰ میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت زید بن ثابتؓ ہیں، ان حضرات نے جرح وتعدیل اور روایات کی صحت وسقم پر بحث کی ہے اور دسویں طبقہ میں ابو اسحاق ابراہیم بن حمزہ اصبہانی، ابوعلی نیشاپوری، ابوبکر محمد بن عمر بن سلمہ بغدادی اور ابوالقاسم حمزہ بن علی کنانی مصری ہیں"(۱)

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ :۔

"رجال پر کلام بہت سے صحابۂ کرامؓ نے کیا ہے، تابعین کے عہد میں اس سلسلے میں مزید اضافہ ہوا"(۲)

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ :۔

"بہت سے ائمۂ تابعین نے رجال پر کلام کیا ہے، جیسے حسن بصریؒ طاؤس نے معبد جہنی پر اور سعید بن جبیر نے طلق بن حبیب پر، ابراہیم نخعی و عامر شعبی نے حارث اعور پر کلام کیا ہے"(۳)

پہلی صدی کے بعد جب دوسری صدی آئی تو اسلام میں مزید بہت سے نئے نئے فرقے پیدا ہوئے۔ حافظ ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں طبقۂ رابعہ کے ختم پر تحریر فرماتے ہیں :۔

"اس طبقے کے دور میں دولت اسلامیہ بنی امیہ سے بنی عباس کی طرف ۱۳۲ھ میں منتقل ہوئی ..... اسی زمانے میں بصرہ میں عمرو بن عبید عابد

(۱) معرفۃ علوم الحدیث ص ۵۲ (۲) فتح المغیث ص ۴۷۶ (۳) کتاب العلل ص ۱

اور واصل بن عطا نمایاں ہوئے۔ جنھوں نے لوگوں کو مذہب اعتزال کی طرف دعوت دی اور خراسان میں جہم بن صفوان نمودار ہوا، جو تعطیل صفات باری تعالے اور خلق قرآن کا داعی تھا، اور اسی کے بالمقابل خراسان میں مقاتل بن سلیمان مفسر پیدا ہوا، جس نے اثبات صفات میں اتنا غلو کیا کہ تجسیم تک نوبت پہنچا دی، آخر علمائے تابعین اور ائمہ سلف ان مبتدعین کے خلاف اُٹھے اور انھوں نے لوگوں کو ان کی بدعت میں مبتلا ہونے سے روکا۔"(۱)

حافظ شمس الدین سخاوی لکھتے ہیں:

"جب تابعین کا دور اخیر آیا یعنی ۱۵۰ھ کے قریب قریب تو ائمہ کی ایک جماعت نے توثیق وتضعیف پر (باقاعدہ) کلام کیا، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ:-

ما رأیت اکذب من جابر الجعفی۔	میں نے جابر جعفی سے زیادہ جھوٹا آدمی نہیں دیکھا۔

اور اعمش نے ایک جماعت کی تضعیف کی اور دوسروں کی توثیق کی، اور شعبہ نے رجال کے بارے میں غور وفکر سے کام لیا۔ یہ بڑے محتاط تھے، اور بجز ثقہ تقریباً کسی سے روایت نہ کرتے تھے، امام مالکؒ کا بھی یہی حال تھا۔

اور اس دَور کے مسلّم لوگوں میں سے کہ جب وہ کسی کے بارے میں کچھ کہہ دیں، تو ان کی بات مان لی جاتی ہے۔ معمر، ہشام دستوائی، اوزاعی، سفیان ثوری، ابن الماجشون، حماد بن سلمہ اور لیث وغیرہ ہیں، پھر ان کے بعد

(۱) تذکرۃ الحفاظ، ج ۱، ص ۱۵۱ و ۱۵۲

دوسرا طبقہ ابن المبارک، ہشیم، ابواسحٰق فزوری، معافی بن عمر موصلی، بشر بن المفضل اور ابن عیینہ وغیرہ کا ہے۔ بعد کو ان ہی کے ہمزبان ایک اور طبقہ ابن علیہ ابن وہب، اور وکیع جیسے حضرات کا ہے۔

پھر ان ہی کے دور میں دو ایسے شخص جو حدیث کے حافظ اور اس فن میں حجت گزرے ہیں تنقید رجال کے لیے اٹھے، یہ یحییٰ بن سعید قطان اور عبدالرحمٰن بن مہدی تھے، سو جس کو یہ دونوں مجروح کہہ دیں، اسکی جرح مندمل نہیں ہوتی، اور جس کی یہ دونوں توثیق کردیں وہ مقبول ہے اور جس کے متعلق ان کے باہم اختلاف ہو (اور ایسے بہت کم اشخاص ہیں) اس کے بارے میں اجتہاد سے کام لینا پڑتا ہے[1]۔"

ان کے بعد حافظ موصوف نے مشہور ائمۂ جرح و تعدیل کی ایک فہرست پیش کی ہے، دونوں کا سلسلہ اپنے استاد شیخ الاسلام حافظ ابن حجر عسقلانی پر ختم فرمایا ہے۔

صاحب کشف الظنون فرماتے ہیں کہ:-

"ان ائمۂ جرح و تعدیل میں سب سے پہلے رجال پر کلام شعبہ بن حجاج نے کیا، حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ یہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے عراق میں محدثین کے بارے میں تحقیق و تفتیش سے کام کیا، اور ضعفاء و متروکین سے اجتناب اختیار کیا اور اس فن میں لوگوں کے مقتدیٰ بن گئے۔ ان کے بعد اہل عراق نے ان کی پیروی کی"

صالح بن جزرہ کا بیان ہے کہ سب سے پہلے رجال پر کلام شعبہ نے کیا۔ پھر ان کی پیروی

(۱) فتح المغیث ص۴۷۹

یحییٰ قطان نے کی، پھر احمد و یحییٰ (ابن معین) نے(۱)

حافظ سیوطی فرماتے ہیں کہ :-

"یہ جو کہا گیا ہے کہ سب سے پہلے رجال پر شعبہ بن حجاج اور یحییٰ بن سعید قطان نے کلام کیا، اس سے مُراد یہ ہے کہ ان دونوں حضرات نے باقاعدہ جرح و تعدیل کو فن کی حیثیت دی اور اس کو مدوّن کیا"(۲)

تاریخ رجالِ حدیث کی تدوین

اس سے پہلے ہم نے جو تفصیل بیان کی، اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ پہلی صدی جو صحابہ کرامؓ اور اکابر تابعینؒ کے دور میں گزری، اس میں جرح و تعدیل کی چنداں ضرورت نہ تھی، اس زمانے میں حدیثوں کے تمام تر روایت کرنے والے صحابہ کرامؓ تھے، جو عادل و ثقہ تھے، ان میں سے کسی فرد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی غلط بیانی نہیں کی، کبار تابعین کے عہد میں برائے نام ضعف پایا گیا، البتہ اوساط تابعین میں بلاشبہ ضعیف راویوں کی ایک جماعت ملتی ہے مگر ان کا ضعف بھی کذب و بد دیانتی کی بنا پر نہیں تھا، بلکہ قلتِ ضبط، حافظہ کے ضعف، یا روایت میں تساہلی کی بنا پر تھا، بہر حال اس دور تک کسی دروغ گو یا ضعیف الروایہ شخص کا وجود بہت کم تھا، اس لیے تاریخ رجال حدیث کو قلمبند کرنے کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی، لیکن جب دوسری صدی کے وسط میں بعض لوگوں نے کذب بیانی سے کام لیا تو ائمہ محدثین نے باقاعدہ جرح و تعدیل سے کام لیا، اور تاریخ کی روشنی میں ان کے بیانات کو جانچا اور پرکھا۔

چنانچہ سفیان ثوری م ۱۶۱ھ فرماتے ہیں :-

(۱) مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص ۹۷ بحوالہ تہذیب التہذیب (۲) تدریب ص ۲۶۳

لما استعمل الرواة الكذب استعملنا لهم التاریخ۔(۱)

جب راویوں نے جھوٹ سے کام لیا تو ہم نے ان کے لیے تاریخ استعمال کی،

قاضی حفص بن غیاث فرماتے ہیں:۔

اذا اتهمتم الشيخ فحاسبوه بالسنين "(۲)

جب تم لوگ کسی شیخ کو متہم خیال کرو تو سنین کے حساب سے اس کی جانچ کرو۔

(یعنی شیخ کے سن اور جس سے روایت کر رہا ہے اس کے سن کو معلوم کر کے حساب لگاؤ کہ اس نے اس سے ملاقات بھی کی ہے یا ویسے ہی ان سے روایت کا دعوے کر رہا ہے۔

حسان بن زیاد کہتے ہیں:۔

"کذابین کے مقابلے میں تاریخ سے بہتر کوئی چیز مددگار نہیں ہو سکتی یہ اس طرح کہ پہلے اس راوی سے دریافت کیا جائے کہ تم کب پیدا ہوئے؟ جب وہ اپنا سال ولادت ہم سے بیان کر دے اور جس شخص سے وہ روایت کر رہا ہو اس کا سن وفات ہمیں معلوم ہو تو پھر ہمیں اس کے جھوٹ سچ کا پتہ چل سکتا ہے(۳) چنانچہ اسمٰعیل بن عیاش نے ایک مرتبہ ایک شخص سے امتحاناً سوال کیا کہ بتاؤ تم نے خالد بن معدان سے کس سنہ میں حدیث لکھی تھی؟ کہنے لگا ۱۱۳ھ میں، اس پر اسمٰعیل نے اس شخص سے کہا کہ تم تو اس بات کے مدعی ہو کہ خالد کی وفات کے سات سال کے بعد تم نے اس سے حدیث سُنی ہے(۴)

حافظ ابن عبدالبر مالکی جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں:۔

ویلزم صاحب الحدیث ان یعرف

اور صاحب حدیث کے لیے ضروری ہے

(۱) و (۲) الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ صـ۷ و صـ۹ والکفایہ صـ۱۱۹ (۳) الاعلان بالتوبیخ صـ۹ (۴) جامع بیان العلم ج ۲ صـ۱۶۹

الصحابة المؤدّين للدين عن	کہ ان صحابۂ کرام سے واقفیت بہم پہنچائے
نبیھم صلّی اللہ علیہ وسلّم	جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین
ویعنی بسیرھم وفضائلھم	کے ناقل ہیں، اور ان کی سیرتوں اور
ویعرف أحوال الناقلین عنھم	ان کے فضائل سے اعتناء کرے اور
وایامھم واخبارھم حتی	جو لوگ صحابہ سے نقل کرتے چلے آئے
یقف علی العدول منھم من	ہیں، ان کے بھی حالات، روزمرہ کے
غیر العدول (۱)	واقعات، اور ان کی اخبار سے باخبر

ہو، تاکہ ان میں عادل اور غیر عادل سے واقف ہوجائے

محدثین کرام نے اسی ضرورت کے تحت "رجال حدیث" کے حالات کو قلمبند کیا، اور اس کو مدوّن ومرتّب کیا ہے،

مشہور مستشرق "اوم منتز" اپنی کتاب "اسلامی تہذیب چوتھی صدی ہجری میں" میں لکھتا ہے:-

"ناقدین حدیث نے شروع ہی سے راویان حدیث کے حالات اور اسمار کو ضبط کرنے، اور ان کے بارے میں ثقہ ہیں یا ضعیف حکم لگانے میں خصوصی توجّہ کی، پھر ان لوگوں نے اس اساس پر نظر ڈالی جس پر یہ حکم مبنی ہے یعنی راوی کے وہ صفات جس کا پورے طور پر ایک ثقہ محدث میں پایا جانا ضروری ہے اور اسکی واقفیت جرح وتعدیل ہی سے ہوسکتی ہے۔ نیز محدثین کو سند متصل کی ضرورت نے یہاں تک پہنچایا کہ وہ راویان حدیث کی زندگی سے بحث.

(۱) جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۶۹

کرنے اور ان پر حکم لگانے کے علاوہ ان کی کامل تاریخ مرتب کریں اس طرح تیسری صدی ہجری میں تاریخ کی کتابیں وجود میں آئیں جیسے تاریخ البخاری وطبقات ابن سعد(۱)"

لیکن واقعہ ہے کہ دوسری صدی کے اختتام اور تیسری صدی کے آغاز ہی میں باقاعدہ "تاریخ رجال حدیث وفن جرح وتعدیل" پر کتابیں لکھی گئیں، علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ فن جرح وتعدیل کے سب سے پہلے مصنف امام یحییٰ بن سعید قطان م ۱۹۸ھ ہیں جن کے بارے میں امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ ان کی مثل میری آنکھوں نے نہیں دیکھا(۲)۔

علامہ طاہر جزائری لکھتے ہیں:۔

"جن لوگوں نے سب سے پہلے (یحییٰ بن سعید قطان کے بعد) فن جرح و تعدیل پر تالیف کی اور کلام کیا، اس طبقہ میں یحییٰ بن معین م ۲۳۳ھ احمد بن حنبل م ۲۴۱ھ اور محمد بن سعد کاتب الواقدی وصاحب الطبقات م ۲۳۰ھ وعلی بن المدینی م ۲۳۴ھ ہیں۔ ان کے بعد امام بخاری ومسلم وابوزرعہ رازی وابوحاتم رازی وابوداؤد سجستانی آئے، ان حضرات کے بعد بکثرت لوگوں نے طبقہ بعد طبقہ ساتویں ہجری کے اواخر تک رجال پر کتابیں تالیف کیں، اور اس پر بحث کی، اور اس کا اہتمام کیا، یہاں تک کہ کتب حدیث میں کوئی راوی ایسا نہیں ہے، کہ ان حضرات کی تالیفات میں اسکی تاریخ بسہولت نہ معلوم ہو سکے(۳)........

جرح وتعدیل پر تین طرح کی کتابیں لکھی گئی ہیں، بعض لوگوں نے صرف ثقات کے ذکر پر

(۱) مجلہ دعوۃ الحق دسمبر ۱۹۶۶ء رباط (مراکش) (۲) میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲ (۳) توجیہ النظر ص ۱۱۸

اکتفا کیا، جیسے ابن حبان البستی کی کتاب "الثقات" (جو چھپ گئی ہے) اور قاسم ابن قطلوبغا کی "کتاب الثقات" جو چار جلدوں میں ہے اور تیسری خلیل بن شاہین کی "کتاب الثقات"۔

بعض لوگوں نے صرف ضعیف راویوں کو اپنی کتابوں میں جمع کیا، اس موضوع پر امام بخاری، امام نسائی، ابن حبان، دارقطنی، عقیلی، ابن الجوزی اور ابن عدی نے کتابیں لکھی ہیں۔ ابن عدی کی کتاب اس میں سب سے زیادہ جامع ہے، انھوں نے اپنی کتاب میں ان سب رواۃ کو جمع کرنے کی کوشش کی ہے، جن پر کسی نوع کا کلام کیا گیا ہے، اگرچہ وہ صحیحین کے رجال میں سے ہوں۔ اسی طرح انھوں نے بعض ائمہ متبوعین کا ذکر بھی کر دیا ہے، کیونکہ ان کے مخالفین نے ان کی زندگی میں کلام کیا تھا بعض مصنفین نے ثقات وضعفاء دونوں کو اپنی کتابوں میں جمع کیا ہے، اس میں امام بخاری کی "التاریخ الکبیر"۔ "التاریخ الاوسط"۔ "التاریخ الصغیر"۔ ابن حبان کی کتاب الجرح والتعدیل" اور ابن حاتم رازی کی کتاب "الجرح والتعدیل" (طبع ہو چکی ہے) ہے۔ طبقات ابن سعد (طبع ہو چکی) اس باب میں سب سے بہتر کتاب ہے، حافظ ابن کثیر کی کتاب ہے "التکمیل فی معرفۃ الثقات والمجاهیل"، اس میں مصنف نے علامہ مزی کی تہذیب اور حافظ ذہبی کی میزان الاعتدال دونوں کو مع اپنے زوائد کے جمع کیا ہے جو ایک محدث اور بعد میں آنے والے فقیہ کے لیے بہت مفید ہے۔(۱)

جرح وتعدیل میں محدثین کی دیانتداری

محدثین کرام نے راویان حدیث کی تحقیق وچھان بین میں انتہائی دیانت داری وحق گوئی کی مثال قائم کی ہے۔ اسمیں انھوں نے اپنے باپ، بیٹے کسی کی رعایت نہیں کی، جو راوی قابل تنقید تھا اس پر نقد کیا اور جو

(۱) توجیہ النظر ص۱۱۸

قابل توثیق تھا، اس کی ثقاہت کو بیان کیا۔ علی بن مدینی جو امام بخاری کے بھی شیخ ہیں ان سے ان کے والد کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان کے متعلق کسی اور سے دریافت کرو، جب لوگوں نے اصرار کیا تو انھوں نے اپنے سر کو جھکا لیا۔ پھر سر کو اٹھا کر فرمایا، کہ دین کا معاملہ ہے، میرے والد ضعیف راوی ہیں۔

امام وکیع بڑے محدث تھے، لیکن ان کے باپ سرکاری خزانچی تھے، اس بنا پر وہ خود ان سے جب روایت کرتے تو ان کی تائید میں کسی دوسرے راوی کو ضرور ملا لیتے۔ یعنی تنہا اپنے باپ کی روایت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔ امام داؤد صاحب السنن نے اپنے بیٹے کے بارے میں فرمایا کہ وہ کذاب ہے۔[۱] [عـ۵]

زید بن انیسہ کہتے ہیں کہ میرے بھائی سے نہ روایت کرو (کیونکہ وہ ضعیف ہیں)[۲]

مسعودی م ۱۵۴ھ ایک محدث ہیں، امام معاذ بن معاذ نے ان کو دیکھا کہ اپنی تحریری یادداشت دیکھنے کی ضرورت ہوتی ہے، تو انھوں نے فوراً ان کے حافظہ سے اپنی بے اعتباری ظاہر کر دی۔[۳]

یہی معاذ بن معاذ وہ بزرگ ہیں کہ ان کو ایک شخص نے دس ہزار دینار صرف اس معاوضہ میں پیش کرنا چاہا کہ وہ ایک شخص کو معتبر (عادل) اور غیر معتبر کچھ نہ کہیں، یعنی ان کے متعلق خاموش رہیں، انھوں نے اشرفیوں کے اس توڑے کو حقارت کے ساتھ ٹھکرا دیا اور فرمایا کہ میں کسی حق کو چھپا نہیں سکتا۔[۴]

کیا تاریخ اس سے زیادہ احتیاط و دیانت داری کی مثال پیش کر سکتی ہے؟

(۱) فتح المغیث ص ۴۱۶ (۲) مقدمہ صحیح مسلم ص ۲ (۳) تہذیب التہذیب۔ ج ۶ ص ۲۱۱، والاعلان بالتوبیخ ص ۹۶
(۴) تہذیب التہذیب۔ ج ۲ ص ۲۴۲ ۔ عـ۵ اگرچہ علامہ ذہبی نے توثیق کی ہے اور اس کو جرح مبہم قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو میزان الاعتدال۔ ج ۲ ص ۴۳

محدثین کا وجدانی ملکہ ان محدثین کرام کو حق تعالیٰ شانہ نے وہ نور باطن اور وجدانی ملکہ عطا فرمایا تھا کہ کسی راوی کی روایت سُننے، و دیکھنے کے ساتھ ہی سمجھ جاتے تھے کہ یہ راوی جھوٹا ہے، یا سچا، روایت صحیح ہے یا ضعیف و موضوع، حافظ ابن قیم سے سوال کیا گیا کہ کیا یہ ممکن ہے کہ بغیر سند کے دیکھے ہوئے حدیث موضوع کا علم ہو جائے؟ تو حافظ صاحب نے فرمایا کہ یہ بڑا عظیم القدر سوال ہے۔ بغیر سند کے دیکھے ہوئے وہی شخص حدیث کو پہچان سکتا ہے، کہ جس کے گوشت و پوست میں حدیث سرایت کر چکی ہو، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات و اوامر و نواہی، اور آپؐ کے مرغوبات و مرضیات ہر وقت اس کی نظر کے سامنے ہوں۔ گویا کہ وہ حضور پُر نور کی مجلس مبارک میں صحابۂ کرامؓ کے ساتھ بیٹھا ہوا ہے۔ ایسا شخص حدیث کو سنتے ہی بغیر سند کے دیکھے ہوئے سمجھ جاتا ہے کہ یہ ارشادِ نبوی ہے یا نہیں؟ یہ ایسا ہے کہ جس طرح فقہائے حنفیہ یا فقہائے شافعیہ طرز کلام سے پہچان لیتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ کا قول ہے یا امام شافعیؒ کا (۱)

صرّاف (سُنار) جس طرح سونا دیکھ کر کھرے کھوٹے کا اندازہ کر لیتا ہے، اسی طرح یہ حضرات محدثین بھی حدیث پاک سے اشتغال اور طول ممارست کی وجہ سے غلط و صحیح میں امتیاز کر لیتے تھے۔ (۲)

ربیع بن خیثم ایک جلیل القدر تابعی ہیں، فرماتے ہیں۔

ان من الحديث حديثاله	بیشک بعض حدیثی روایتوں میں روشنی
ضوء كضوء النهار، وان	ہوتی ہے، دن کی روشنی کی مانند،
من الحديث حديثاله ظلمة	اور بعض میں ایک تاریکی ہوتی ہے،

(۱) قواعد التحدیث ص۱۴۷ (۲) تدریب طبع قدیم ص۹ و مقدمہ فتح الملہم ص۵۵ بحوالہ فتح المغیث

کظلمۃ اللیل نعرفہ بھا[1] رات کی تاریکی کے مانند جس سے ہم اس کا (صحیح و غلط) ہونا پہچانتے ہیں۔

عبدالرحمٰن بن مہدی نے فرمایا کہ حدیث کی معرفت ایک الہام ہے، بسا اوقات اگر تم کسی عالم سے جو حدیث کی علت بیان کرتا ہے دلیل طلب کرو، تو وہ دلیل نہیں پیش کرسکتا[2]

علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں :۔

"حدیث منکر کو سُن کر محدث کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور قلب اس سے نفرت کرتا ہے"[3]

شیخ ابوالحسن علی بن عروہ حنبلی "کتاب الکواکب" میں فرماتے ہیں کہ :۔

"جس کی فطرت سلیم ہو، اور قلب اس کا نور تقوے سے منور ہو اور صدق و خلاص اس کا مزاج ثانی بن چکا ہو، سنتے ہی اس کو جھوٹ و سچ کا پتہ چل جاتا ہے۔ بعض بزرگان دین نے فرمایا کہ جب کوئی جھوٹ بولنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا کلام پورا ہونے سے پہلے ہی میں اس کی مراد کو سمجھ جاتا ہوں (کہ وہ جھوٹا ہے) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے۔ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ ۔ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ! ہم نے آپ کو ایسا خاص نور فراست عطا کیا ہے کہ آپ اس کے ذریعہ منافقین کو ان کے لب و لہجہ سے پہچان لیتے ہیں کہ یہ نفاق کی بات ہے"[4]

حافظ بلقینی کا ارشاد ہے :۔

"اس پر دلیل یہ ہے کہ اگر کوئی آدمی کسی انسان کی چند سالوں تک خدمت

(۱) معرفۃ علوم الحدیث صفحہ ۶۲ والمحدث الفاصل کلمہ ۶ (۲) معرفۃ علوم الحدیث صفحہ ۱۱۳ (۳) الباعث الحثیث صفحہ ۹ (۴) قواعد التحدیث صفحہ ۱۴۸

کرے گا تو وہ اس کی ان تمام چیزوں سے واقف ہو جائے گا جو اسے پسند ہیں یا ناپسند، پس اگر کوئی دعوےٰ کرے کہ وہ فلاں چیز کو ناپسند کرتا ہے، جس کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ وہ پسند کرتا ہے تو فقط اکی بات سننے ہی سے اس کی تکذیب کردے گا۔"(۱)

علامہ ابن دقیق العید فرماتے ہیں:۔

"محدثین کرام کا کسی حدیث کو موضوع قرار دینے کا تعلق اکثر حدیث کے متن اور اس کے الفاظ سے ہوتا ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ان حضرات محدثین کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ کے کثرت استعمال سے ایک خاص ذوق و ملکہ حاصل ہو جاتا ہے جس سے وہ حضورؐ کے الفاظ اور دوسروں کے الفاظ میں تمیز کر لیتے ہیں(۲)

حدیث کے پرکھنے کے اصول و ضابطے

ائمہ محدثین نے اپنے وجدانی ذوق و ملکہ سے جو انھیں حق تعالیٰ شانہ، کی طرف سے دیا گیا تھا۔ حدیث کے متن و اسناد دونوں کو پرکھنے اور جانچنے کے لیے ایسے اصول و ضابطے مرتب کیے کہ مستشرقین یورپ اور ان کے تلامذہ و خوشہ چین منکرین حدیث بھی اس میں کوتاہی کا الزام نہیں لگا سکتے۔

وضعِ حدیث کی وہ علامات جن کا تعلق متنِ حدیث سے ہے

محدثین کرام نے جس طرح راویوں کی صداقت و دیانت کو ایک لازمی امر قرار دیا ہے، اسی طرح چند ایسی علامتیں مقرر کی ہیں کہ اگر وہ یا ان میں سے کوئی ایک علامت پائی جائے تو حدیث قابل قبول نہ ہو گی۔ ان میں سے چند یہ ہیں:۔

---

(۱) تدریب ص ۹۹ (۲) توضیح الافکار۔ ج ۲ ص ۹۴

(۱) جو حدیث ایسی ہو کہ اس کے معنی کی رکاکت وقارِ نبویؐ کے خلاف ہو، وہ قابل قبول نہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ رکاکت کا تعلق صرف معنیٰ سے ہے اور اسی کو وضع حدیث کا سبب قرار دیا گیا ہے، اگرچہ الفاظ میں رکاکت موجود نہ ہو، اس لیے کہ دین محاسن پر مشتمل ہے، اور معنوی رکاکت اس کے خلاف ہے، اور اگر صرف الفاظ ہی میں رکاکت موجود ہو تو مجرد اس کو وضع حدیث کا سبب نہیں قرار دیا جا سکتا، ممکن ہے کہ راوی نے بالمعنی روایت کی ہو، اور فصیح الفاظ کو غیر فصیح میں تبدیل کر دیا ہو، لیکن اگر وہ کہتا ہے کہ اس کے الفاظ حضورؐ کے الفاظ ہیں تو البتہ اس کو کاذب قرار دیا جائے گا۔ (۱)

(۲) جو روایت قرآن، حدیث متواتر یا اجماع قطعی کے خلاف ہو، وہ صحیح نہیں (۲)

(۳) جو عقل سلیم کے خلاف ہو، وہ قابل قبول نہیں،

(۴) اگر کوئی تاریخی واقعہ صحیح اور متواتر ذرائع سے معلوم ہے، اور کوئی روایت اسکے خلاف ہے تو وہ روایت قابل قبول نہیں،

(۵) اگر کوئی روایت مشاہدات کے خلاف ہو تو وہ قابل قبول نہیں۔

(۶) جس حدیث میں کسی معمولی نیکی پر بہت بڑے بڑے امور خیر کے برابر ثواب بتلایا گیا ہو، یا معمولی گناہ پر بہت بڑی وعید بیان کی گئی ہو، وہ صحیح نہیں،

(۷) جس روایت میں ایسا واقعہ بیان کیا گیا ہو جو اگر وقوع میں آتا تو سیکڑوں آدمی اس کی روایت کرتے، مگر اس کے باوجود صرف ایک ہی راوی نے اسکی روایت کی، اس صورت میں اس راوی کی یہ روایت قابل قبول نہیں،

(۱) الباعث الحثیث ص ۹ (۲) توضیح الافکار ج ۲ ص ۹۶

(۸) جو حدیث انبیاء علیہم السلام کے قول سے مشابہت نہ رکھتی ہو وہ قابل قبول نہیں۔

...... بہر حال وہ تمام روایتیں جن میں مذکورہ بالا علتوں میں سے کوئی ایک علت بھی پائی جاتی ہو، وہ محدثین کے نزدیک غیر معتبر ہیں(۱)

وضع حدیث کی وہ علامات جن کا تعلق اسناد سے ہے

(۱) راوی کذاب ہو، اور کذب میں مشہور ہو، اسکے علاوہ اور کوئی ثقہ راوی اس کو روایت نہ کر رہا ہو (محدثین کرام نے کذابین اور اس کی تاریخ معلوم کرنے کی پوری کوشش کی ہے اور اس میں ایسا استقصاء کیا ہے کہ کوئی کذاب نہیں بچ سکا ہے)

(۲) واضع خود اپنے وضع کا اعتراف کرے، جیسے ابو عصمہ، نوح بن ابی مریم نے فضائل وغیرہ میں بہت سی احادیث کے وضع کا اقرار کیا ہے(۲)، اور اس طرح کی بہت سی دوسری مثالیں موجود ہیں۔

(۳) راوی ایسے شیخ سے روایت کرے جس سے اسکی ملاقات ثابت نہ ہو، یا اس کی وفات کے بعد پیدا ہو، یا جس جگہ سماع کا دعوے کر رہا ہو، وہاں کبھی گیا ہی نہ ہو، جیسے ماموں بن احمد ہروی نے دعوے کیا کہ اس نے ہشام بن عمار سے سُنا ہے، حافظ بن حبان نے اس سے پوچھا کہ کب تم شام میں داخل ہوئے ہو، تو اس نے کہا کہ سنہ ۲۵۰ھ میں، اس پر حافظ بن حبان نے فرمایا، ہشام! جس سے تم روایت کر رہے ہو، اس کا انتقال تو سنہ ۲۴۵ھ میں ہو چکا ہے(۳) اسی طرح عبداللہ بن اسحاق کرمانی نے محمد بن ابی یعقوب سے حدیث روایت کی، حافظ ابو علی نیشاپوری اس کے پاس آئے اور اس کا سنِ ولادت معلوم کیا، تو

(۱) ماخوذ از فتح المغیث ص۱۱۱ و تدریب الراوی ص۹۹ طبع قدیم (۲) تدریب الراوی ص۱۰۳ (۳) میزان الاعتدال ج۳ ص۴

اس نے ۲۵۱ھ بتایا۔ حافظ ابوعلی نے کہا کہ محمد بن یعقوب تو تمہاری ولادت کے نو سال پہلے وفات پا چکے تھے۔ اسی طرح محمد بن حاتم کشی نے عبد بن حمید کے واسطے سے حدیث بیان کی تو حاکم ابوعبداللہ نے کہا کہ اس شیخ نے عبد بن حمید کی وفات کے تیرہ سال بعد اس سے حدیث سنی ہے (۱)

(۴) کبھی وضع کا اندازہ راوی کے حال اور اس کے ذاتی رجحانات سے لگایا جا سکتا ہے مثلاً حاکم نے سیف بن عمر تیمی سے روایت نقل کی ہے کہ انھوں نے بیان کیا کہ ہم لوگ سعد بن طریف کے پاس تھے کہ اس کا لڑکا مکتب سے روتا ہوا آیا، تو سعد نے رونے کا سبب دریافت کیا تو اس لڑکے نے بتایا کہ استاد نے مارا ہے۔ اس پر سعد نے کہا کہ آج میں ان لوگوں کو رسوا کروں گا۔ چنانچہ ایک حدیث بنا ڈالی: حدثنی عکرمۃ عن ابن عباس مرفوعاً، معلموا صبیانکم شرارکم، اقلھم رحمۃ للیتیم واغلظھم علی المساکین۔ (۲)

یا مثلاً محمد بن حجاج نخعی جو ہریسہ بیچا کرتا تھا، اس نے ہریسہ کی فضیلت میں ایک حدیث بنا ڈالی۔ (۳)

اسناد پر نقد کے اصول و ضابطے

محدثین کرام نے راویان حدیث کے نقد کے لیے کچھ ایسے اصول اور ضابطے مقرر کیے ہیں، جن سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ کس راوی کی حدیث قابل قبول ہے اور کس کی قابل ترک، اور کس کی حدیث لکھی جائیگی اور کس کی چھوڑ دی جائے گی، ان متروکین کی اہم قسمیں حسب ذیل ہیں:-

(۱) وہ لوگ جن کے متعلق ثابت ہو جائے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف

(۱) میزان الاعتدال، ج ۲ صفحہ ۳۷ (۲) تدریب صفحہ ۱۱۵ (۳) میزان ج ۳ صفحہ ۴

جھوٹی بات منسوب کر کے بیان کرتے ہیں، اس پر اجماع ہے کہ ایسے لوگوں کی روایت نہیں لی جائے گی اور یہ کذب علی النبی اکبر الکبائر ہے بلکہ علماء کی ایک جماعت نے ایسے شخص کی تکفیر کی ہے، اور ایک دوسری جماعت نے اس کو واجب القتل قرار دیا ہے۔

نیز اس میں بھی اختلاف، کہ ایسا شخص اگر توبہ کرے تو اسکی توبہ قابل قبول ہوگی یا نہیں ؟ امام احمد بن حنبل، اور ابوبکر حمیدی جو امام بخاری کے شیخ ہیں، ان کی رائے ہے کہ اس کی توبہ قبول نہیں کی جائے گی، لیکن علامہ نووی اس کی توبہ اور اس کے بعد اسکی روایت کو بھی قابل قبول قرار دیتے ہیں، ابوالمظفر سمعانی کا مسلک ہے کہ جو شخص ایک حدیث میں کاذب ثابت ہو جائے اسکی اس سے پہلے کی بھی ساری مرویات ناقابل اعتبار ہو جاتی ہیں۔ (۱)

(۲) جو لوگ عام بول چال میں راست گفتاری کے پابند نہ ہوں اور غلط بیانی سے پرہیز نہ کرتے ہوں (اگرچہ حدیث نبوی کے بارے میں ان کا جھوٹ علم و تجربہ میں نہ آیا ہو) ان کی روایت بھی قابل قبول نہیں، امام مالک کا ارشاد ہے :-

لا یؤخذ العلم عن اربعۃ رجل	چار آدمیوں سے یہ علم نہیں حاصل کیا
معلن بالسفہ وان کان اروی	جائے گا، ایک وہ آدمی جس کی بیوقوفی
الناس، ورجل یکذب فی احادیث	آشکارا ہو، اگرچہ وہ بہت زیادہ روایت
الناس وان کنت لا اتھمہ ان	کرنے والا ہو، اور دوسرا وہ آدمی جو
یکذب علی رسول اللہ صلی اللہ	لوگوں سے گفتگو میں جھوٹ بولتا ہو اگرچہ
علیہ وسلم وصاحب ھوی یدعو	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں

(۱) اختصار علوم الحدیث صـ ۱۰۱

الناس الی هواه و شیخ له فضل — اس پر جھوٹ بولنے کی تہمت نہ ہو،

وعبادة اذا کان لایعرف — تیسرا وہ مبتدع جو اپنی بدعت کی طرف

مایحدث به (۱) — داعی ہو، اور چوتھے وہ شخص بھی جو اگرچہ

صاحب فضل وعبادت ہو، مگر اپنی بیان کردہ حدیث کی اس کو معرفت

نہ ہو، تو اس سے بھی حدیث نہ قبول کی جائے گی۔

عام گفتگو میں جس شخص کا کذب ثابت ہو چکا ہو، ایسا شخص اگر اپنے کذب سے توبہ کر لے، اور اس کے بعد اس کی عدالت بھی ثابت ہو جائے، تو جمہور علماء کے نزدیک اسکی توبہ قابلِ قبول ہو گی، اور اس کی خبر پر بھی اعتماد کیا جائے گا، البتہ ابوبکر صیرفی کا اختلاف ہے، وہ فرماتے ہیں کہ جس راوی کی روایت اس کے کذب کی وجہ سے چھوڑی جائے گی اس کے توبہ کر لینے کے بعد بھی اسکی روایت قبول نہیں کی جائے گی۔(۲)

(۳) اصحاب البدع والاھواء ؟ —— اس پر تو ائمہ حق کا اتفاق ہے کہ کسی مبتدع کی حدیث جب کہ اسکی بدعت موجب کفر ہو، یا وہ کذب کو حلال سمجھے خواہ اس کی بدعت حد کفر تک نہ پہنچتی ہو، اسکی روایت قابل قبول نہیں — مبتدعین کی ان قسموں کے علاوہ باقی کے بارے میں ایک رائے یہ ہے کہ جو مبتدع اپنی بدعت کی طرف داعی ہو، اس کی بھی روایت قابل قبول نہیں، حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ متقدمین ومتاخرین کا اس میں اختلاف رہا ہے، اور جس پر اکثر لوگ ہیں، وہ یہ ہے کہ داعی وغیر داعی کے درمیان تفصیل ہو، یہی امام شافعیؒ سے بھی صراحۃً نقل کیا گیا ہو، مگر ابن حبان نے اس پر اتفاق نقل کیا ہو کہ ہمارے ائمہ کے نزدیک قاطبۃً اس سے استدلال جائز نہیں۔

(۱) الجرح والتعدیل ج ۱ ص ۳۲، والکفایۃ ص ۱۱۶ (۲) الباعث الحثیث ص ۱۰۲

ولا اعلم فیہ اختلافاً۔ (اور مجھے اس میں کسی اختلاف کا علم نہیں)

لیکن ابن حبان کا قول صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ امام بخاری نے عمران بن حطان خارجی سے جو عبدالرحمن بن ملجم (حضرت علیؓ کے قاتل) کا مداح تھا۔ روایت کی تخریج کی ہے حالانکہ عمران خارجیت کا بہت بڑا داعی تھا، نیز امام شافعیؒ نے بھی فرمایا ہے کہ اہل اہواء (مبتدعین) کی شہادت میں قبول کروں گا، سوائے روافض میں فرقہ خطابیہ کے، کیونکہ وہ اپنے موافقین کے لیے جھوٹی شہادت کو جائز سمجھتے تھے (۱)

امام عبدالقاہر بغدادی نے اپنی کتاب "الفرق بین الفِرَق" میں نقل کیا ہے کہ امام شافعی آخیر زندگی میں اہل اہواء کے بارے میں اپنی رائے سے ہٹ گئے تھے، اور استثناء میں معتزلہ کا بھی اضافہ کرلیا تھا (۲)، مبتدعین کے بارے میں ائمہ حدیث کا یہ اصول تو معلوم اور معروف ہے کہ ان کی وہ روایت قبول نہیں کی جائے گی جس سے انکی بدعت کی تائید ہوتی ہو۔ اسی طرح کسی ایسے مبتدع کی روایت بھی قبول نہیں کی جائیگی جس کا تعلق کسی ایسے گروہ سے ہو جو اپنی اغراض کے لیے دروغ بیانی کو مباح سمجھتا ہو اسی لیے ایسے اہلِ بدعت کی جو صدق و امانت میں مشہور تھے، وہ روایتیں قبول کرلی گئی ہیں، جن کا ان کی بدعات سے کوئی تعلق نہیں ہے، جیسے عمران بن حطّان (۳)۔

علامہ ذہبی فرماتے ہیں کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں، ایک صغریٰ، دوسری کبریٰ۔ بدعت صغرے جیسے تشیعیت جس میں غلو و زیادتی ہو (مثلاً حضرت عثمان کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کی صرف تفضیل کا عقیدہ ہو) اس طرح کی شیعیت تو بہت سے تابعین و تبع تابعین میں ان کے تدین و تقوے اور صدق و امانت کے باوجود تھی، اگر ان لوگوں کی حدیث کو

(۱) اختصار علوم الحدیث ص ۹۹ و ۱۰۰ و تدریب ص ۲۲۰ (۲) الفرق بین الفرق ص ۳۵۰ (۳) الباعث الحثیث ص ۱۰۱

رد کر دیا جائے تو بہت سے آثار نبوی کا سرمایہ ختم ہو جائے گا اور اس صورت میں کھلی ہوئی خرابی ہے۔

بدعت کبریٰ جیسے رفض کامل اور اس میں غلو، مثلاً حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کی تنقیص کرنا، اور اس کی طرف دعوت دینا، تو اس طرح کے لوگوں کی روایات ہرگز قابل استدلال نہیں، اور نہ ان کا کوئی مقام ہے، بلکہ اس جماعت کا ایک آدمی بھی میرے سامنے ایسا نہیں ہے جو سچا اور قابل اعتماد ہو، بلکہ کذب بیانی ان کا شعار اور تقیہ و نفاق ان کا محبوب مشغلہ ہے، پھر ایسے لوگوں کی روایات کو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے، حاشا و کلاّ، غالی شیعی سلف کے زمانہ میں اور ان کی اصطلاح میں وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ حضرت معاویہؓ اور اس جماعت پر جس نے حضرت علیؓ سے جنگ کی تنقید کی اور برا بھلا کہا، ہمارے زمانے میں اور ہماری اصطلاح میں غالی وہ ہے جو ان اکابر کی تکفیر کرتا ہو، اور حضرات شیخینؓ سے بیزاری اختیار کرتا ہو (معاذ اللہ) بس وہ گمراہ و مفتری ہے۔[1]

حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں، تشیّع متقدمین کے عرف میں نام ہے شیخینؓ کی تقدیم و تفضیل کے ساتھ حضرت عثمانؓ پر حضرت علیؓ کو فضیلت دینے کا[2]

(۴) زنادقہ و فساق اور وہ مغفل لوگ جو اپنی روایات کا مطلب نہیں سمجھتے اور نہ ان میں ضبط اور فہم کے صفات پوری طرح موجود ہیں، یہ بھی متروکین میں داخل ہیں[3]

وہ لوگ جن کی روایات میں توقف کیا جائے گا ایسے لوگوں کی چند قسمیں ہیں:۔

(۱) جن کی جرح و تعدیل میں اختلاف ہو،

(۲) جن سے بکثرت خطا کا صدور ہو، اور ان کی اور ائمہ ثقات کی روایت میں فرق ہو

(۱) میزان ص۶ ج۱، (۲) مقدمہ فتح الملہم ص۶۵، بحوالہ مقدمہ فتح الباری (۳) اختصار علوم الحدیث ص۹۵

اختلاف ہو

(۳) نسیان کی کثرت ہو۔

(۴) حافظہ خراب ہو۔

(۵) اخیر عمر میں اختلاط پیدا ہو گیا ہو۔

(۶) وہ راوی جو ثقات وضعفاء ہر ایک سے روایت لے لیتا ہو،

مصطفےٰ اسباعی مرحوم لکھتے ہیں :

"ان مضبوط و محکم بنیادوں پر ان حضرات ائمہ نے نقد احادیث اور صحیح وسقیم میں امتیاز کرنے کے لیے اپنی انتہائی کوششوں کو صرف کیا، بلاشبہ یہ ایسے بے داغ اصول ہیں، جن کی قوت وگہرائی اور کفایت کا کوئی منصف انکار نہیں کرسکتا، پھر ہمارے علماء نے صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ متن (واسناد) کے تمام علل سابقہ سے محفوظ ہونے کے بعد اس حیثیت سے بھی اس پر نقد کیا، کہ آیا اس میں اضطراب، شذوذ و اعلال تو نہیں ہے۔ ایسے ہی انھوں نے اس پر غور کیا کہ اس میں قلب یا غلطی اور ادراج کا امکان تو نہیں ہے[1]"

ان کے بہت سے شواہد و امثلہ کے لیے ملاحظہ ہو، تدریب الراوی، توجیہ النظر وغیرہ کتب اصول۔

جرح و تعدیل میں ائمہ حدیث کے اختلاف کی حقیقت

حدیث کو پرکھنے اور جانچنے کے جو محکم قاعدے اور ضابطے محدثین کرامؒ نے مرتب کیے ہیں، ان پر کسی طرح اعتراض کی گنجائش نہیں، البتہ جو لوگ اس مقدس فن سے ناآشنا ہیں اور جن کا مقصد ہی

(۱) السنۃ ص ۱۱۵ مکانتہا فی التشریع الاسلامی۔

اس فن کو مشکوک بنانا ہے، اُن کی طرف سے یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ کسی ایک راوی کی صداقت و عدالت میں دو محدثوں کا بھی اتفاق نہیں، اگر ایک محدث اس کو ثقہ قرار دیتا ہے، تو دوسرا ضعیف، یا اس کے برعکس معاملہ ہے، چنانچہ ڈاکٹر احمد امین وغیرہ نے اس دعوے پر علامہ ذہبی کی ایک عبارت سے استدلال کیا ہے، علامہ موصوف فرماتے ہیں۔

لم یجتمع اثنان من علماء ھذا الشان علی توثیق ضعیف ولا علی تضعیف ثقة (۱)

مگر واقعہ یہ ہے کہ حافظ ذہبی کے الفاظ پر معمولی غور کرنے سے اس مفہوم کی تردید ہوتی ہے جو ان لوگوں نے مُراد لیا ہے،

مصطفےٰ سباعی مرحوم لکھتے ہیں کہ :-

"حافظ ذہبی کے کہنے کی غرض یہ ہے کہ ائمہ جرح و تعدیل نقد رجال میں نہایت تثبت و احتیاط سے کام لیتے ہیں، وہ ایسا نہیں کرتے کہ ایک راوی جو ضعف میں مشہور ہو، اس کی توثیق کر دیں یا کسی ایسے راوی کو جو تثبت اور صدق میں مشہور ہے، اس کو ضعیف قرار دیدیں، البتہ ان حضرات کا اختلاف ان راویانِ حدیث کے بارے میں ہوا ہے، جو ضعف و ثقاہت میں مشہور نہ ہوں۔ الغرض یہ حضرات راوی کا اسی حیثیت سے تذکرہ کرتے ہیں جو اس میں حقیقت ہوتی ہے حافظ ذہبی نے اپنے قول "علیٰ توثیق ضعیف ولا علی تضعیف ثقة" سے اگر وہی مراد لیا ہوتا، جو ڈاکٹر احمد امین وغیرہ نے سمجھا ہے، تو الفاظ یہ ہوتے "مالم یجتمع اثنان علیٰ توثیق راو ولا علی تضعیفه" جو رواۃ ضعف یا ثقاہت میں مشہور نہیں ہیں ان کے بارے میں ائمہ فن کا اختلاف

(۱) تدریب طبع جدید ص۲۰۲

ہوا ہے، اور اس کی دو صورتیں ہیں[1]

(۱) کبھی یہ اختلاف اہل سنت والجماعت رواۃ کے بارے میں واقع ہوا ہے اور یہ اختلاف عام طور پر ائمہ جرح وتعدیل کے نقطہائے نظر کے اختلاف پر مبنی ہے جو ان میں باہم ایک راوی کے صدق وکذب یا اس کی عدالت وفسق اور اس کے حفظ ونسیان میں ہوا کرتا ہے۔

(۲) کبھی یہ اختلاف اہل بدعت رواۃ کے بارے میں ہوا ہے، اس صورت میں ائمہ جرح وتعدیل نے مجرد مذہبی اختلاف کی بنا پر نقد نہیں کیا ہے بلکہ اپنے مخالف پر جرح اس وقت کی ہے، جب اس کی بدعت کفر کی طرف داعی ہو، یا وہ صحابۂ کرامؓ پر تنقید یں کرتا ہو، یا وہ اپنی بدعت کی طرف داعی ہو، یا داعی تو نہیں ہے مگر اس کی بدعت اس کے باطل عقیدہ کے موافق ہو، ان سب صورتوں میں راوی کی عدالت مشکوک سمجھی جائے گی۔ فی الواقع جرح کا مدار راوی کے صدق وثقاہت پر ہے نہ کہ مجرد مذہبی اختلاف پر۔ کتب ستہ وغیرہ کتابوں میں مبتدعہ کی ایک جماعت سے روایت کی تخریج کی گئی ہے، جن کے بارے میں تاریخ سے ثابت ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بولتے تھے، جیسے عمران بن حطان خارجی اور ابان بن تغلب شیعی، حافظ ذہبی، ابان بن تغلب کوفی کے ترجمہ میں لکھتے ہیں "شیعی لکنہ صدوق فلنا صدقہ وعلیہ کذبہ"[1]

اہل بدعت رواۃ کی روایت محدثین کرام نے جن شرائط کے ساتھ قبول کی ہے اس پر تفصیلی گفتگو ہم پہلے کر چکے ہیں۔

(۱) السنۃ ومکانتہا فی التشریع الاسلامی ص۲۳ ومیزان الاعتدال ج۱ ص۵

جرح کے معتبر ہونے کے لیے اسباب کا بیان کرنا ضروری ہے

کسی راوی پر جرح و نقد کے معتبر ہونے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اسباب بیان کیے جائیں، محدثین کرام نے مستقل ضابطہ بنا دیا ہے کہ جرح مبہم معتبر نہیں، کیونکہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ناقد کی جرح میں غلطی و عصبیت بھی شامل ہو جاتی ہے جس میں حقیقت و واقعیت نہیں ہوتی، جیسے اہل حدیث اور اہل رائے کا باہم اختلاف مشہور ہے کہ اہل حدیث اجتہاد کے باب میں اہل رائے سے متفق نہ تھے، اس لیے بہت سے ائمہ رائے کو ضعفاء میں شمار کر دیا ہے۔ حتیٰ کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ پر ان کے زہد و تقویٰ اور جلالت شان کے باوجود بہت سے لوگوں نے کلام کیا ہے، اس لیے تعدیل کے مقبول ہونے کے لیے اسباب کا بیان کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اسباب جرح کا بیان کرنا اس لیے ضروری قرار دیا گیا کہ بسا اوقات جرح کرنے والا ایسی چیز کو جرح کا سبب قرار دیتا ہے جو موجب جرح نہیں ہوتی، مجھے ایک شخص پر جرح کی خبر پہنچی تو میں نے ناقد سے اس کا سبب دریافت کیا تو اس نے بتایا کہ میں نے اس کو کھڑے ہو کر پیشاب کرتے ہوئے دیکھا تھا، اب اس کے کپڑے ناپاک ہوئے ہوں گے، اور اسی حالت میں اس نے نماز پڑھی ہو گی، تو صدوق کہاں رہا؟ میں نے اس سے کہا کہ تم نے انھیں کپڑوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تھا؟ تو اس نے جواب دیا نہیں، امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح کی جرح لغو و باطل ہے[1] نیز اس کا کھڑے ہو کر پیشاب کرنا ممکن ہے کہ کسی عذر کی بنا پر رہا ہو۔

حافظ ابن کثیرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

(۱) الکفایۃ ص۱۰۱

بخلاف الجرح فانه لا يقبل الا مفسرًا لاختلاف الناس فی الاسباب المفسقة فقد یعتمد الجارح شیئًا مفسقًا فیضعفه و لا یکون کذلك فی نفس الامر او غیره ولهذا اشترط بیان السبب فی الجرح بغیر خلاف (۱)

برخلاف جرح کے کہ وہ قابل قبول نہیں جب تک کہ مفصل نہ ہو، اسباب فسق کی تعیین میں بتانے والے اسباب میں لوگوں کا اختلاف ہے، کبھی جرح کرنے والا ایک چیز کو موجب فسق سمجھ کر جرح کر دیتا ہے اور حقیقت حال اس کے خلاف ہوتی ہے، اسی لیے بالاتفاق سبب جرح کا بیان کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

اس سلسلے میں حافظ بن صلاح لکھتے ہیں کہ کوئی جرح مقبول نہیں جب تک کہ اس کا سبب نہ بیان کیا جائے، کیونکہ بسا اوقات جارح ایسی جرح کرتا ہے، جو موجب جرح نہیں ہوتی، فلابدّ من بیان سببه لیظهر هل هو جرح ام لا (۲) ۔ خطیب بغدادی فرماتے ہیں کہ شیخین وغیرہ حفاظ حدیث کا یہی مسلک ہے (۳)۔

یہاں یہ بات پیش نظر رہے کہ جرح مبہم صرف ان رواۃ کے بارے میں معتبر نہ ہوگی جس کی پہلے کسی محدث نے توثیق کی ہو۔ چنانچہ شیخ الاسلام حافظ بن حجر فرماتے ہیں کہ جس راوی کی کسی امام فن نے توثیق کی ہے، اس کے بارے میں کسی کی بھی جرح اسوقت تک قابل قبول نہ ہوگی جب تک کہ مفسر نہ ہو، اور اگر اس راوی کی ثقاہت ثابت ہو چکی ہو تو اس کو زائل کرنے کے لیے واضح دلیل کی ضرورت ہے، کیونکہ ائمۂ فن نے اس راوی کی

(۱) اختصار علوم الحدیث ص۱۰۱ (۲) مقدمہ ابن صلاح طبع قدیم ص۳۸ (۳) الکفایہ ص۱۰۹ و لسان المیزان، ج ۱ ص۱۵ و تدریب ص۲۰۲ ۔

دیانت و روایت کا پورا اندازہ لگا کر اور پرکھ کر فیصلہ کیا ہوگا۔ ان کے فیصلے کو باطل کرنے کے لیے صریح دلیل چاہیئے، البتہ اگر کسی محدث نے اس کی توثیق نہیں کی ہے تو پھر ماہر فن کی جرح مبہم قبول کی جائے گی[1]۔ امام بیہقی اور محمد بن نصر مروزی وغیرہ ائمہ کا بھی یہی خیال ہے کہ جس آدمی کی عدالت ثابت ہو چکی ہو، اس کے بارے میں کسی کی جرح اس وقت قبول کی جائے گی جب وہ واضح طور پر اس کا سبب بھی بیان کر دے[2]

معاصرانہ رقابت و رنجش کے سبب جرح مردود ہے

اگر کسی قرینہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ معاصرانہ رقابت یا رنجش یا خفگی کے سبب جرح کی جا رہی ہے تو یہ جرح بالاتفاق ناقابل قبول ہے، مولانا عبدالحی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں:۔

الجرح اذا صدر من تعصب او عداوة او منافرة او نحو ذلک فهو جرح مردود ولایؤمن الا المطرود[3]	جرح جب تعصب یا عداوت یا باہمی منافرت وغیرہ سے صادر ہو تو وہ غیر معتبر ہے اور اس طرح کی جرح سے شاذ ہی کوئی محفوظ رہ سکتا ہو۔

حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ معاصرین کی ایک دوسرے پر تنقید ناقابل التفات ہے جب کہ ثابت ہو جائے کہ یہ جرح عداوت یا مسلک کے اختلاف یا حسد کی بنا پر ہو رہی ہے جس کی اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے صرف وہی لوگ اس طرح کی جرح سے محفوظ رہ سکتے ہیں، انبیاء علیہم السلام و صدیقین کے سوا اور کسی کا تنقید سے محفوظ رہنا میرے علم میں نہیں ہے۔ اگر میں چاہوں تو اس پر کئی کا بیاض سیاہ کر سکتا ہوں[4]۔

حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ بعض ائمہ نے ذاتی رنجش سے اور بعض نے اپنے معاصرانہ

(۱) تدریب ص ۲۰۴ (۲) فتح المغیث ص ۱۳۰ (۳) الرفع والتکمیل طبع جدید ص ۱۶۲ (۴) میزان الاعتدال ج ۱ ص ۵۲

رقابت کے سبب جرح کی ہے، اور بعض ادنیٰ درجہ کے راوی نے اپنے سے اعلیٰ اور افضل اور کامل الضبط ثقہ راوی پر جرح کر دی ہے، حافظ صاحب فرماتے ہیں فکل ھذا لا یعتبر، ایسی تمام جرحیں غیر معتبر ہیں(۱)۔ مشہور مقولہ ہے "المعاصرۃ سبب المنافرۃ" اس لیے جب ایک معاصر عالم دوسرے پر نقد کر رہا ہو تو دیکھنا چاہیے کہ یہ جرح معاصرانہ رقابت کے سبب تو نہیں ہو رہی ہے، کیونکہ بشری تقاضے سے کبھی اس طرح کی رقابت پیدا ہو جاتی ہے اور کبھی یہ رقابت باہمی رنجش و عداوت تک پہنچ جاتی ہے۔

حافظ شمس الدین سخاوی فرماتے ہیں کہ رنجش و خفگی کی بناء پر جرح کا مرض عام طور پر دو معاصر عالموں کے درمیان زیادہ ہوتا ہے، بالخصوص متاخرین علماء میں اکثر مراتب میں تنافس اس کا سبب ہے، اسی لیے حافظ ابن البر مالکی نے جامع بیان العلم میں ایک مستقل باب قائم کر کے معاصرین کی آپس کی تنقیدوں کو جمع کر دیا ہے ...... دو معاصرین کے آپس کی جرح قابل قبول نہ ہوگی جب تک کہ جرح پر واضح دلیل نہ قائم ہو۔ اور اگر ان دونوں کے درمیان عداوت ثابت ہو جائے تو وہ جرح بدرجہ اولیٰ قابل رد ہوگی(۲)۔

تنبیہ | ایک شبہ یہ پیدا ہوتا ہے کہ جرح و تعدیل کی کتابوں میں عام طور پر جرح کا سبب نہیں بیان کیا گیا ہے بلکہ اکثر ان مصنفین نے فُلَانٌ ضَعِیْفٌ، فُلَانٌ لَیْسَ بِشَیْئٍ، وَھٰذَا حَدِیْثٌ ضَعِیْفٌ پر اکتفا کیا ہے، علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے راوی کا مشکوک ہونا معلوم ہو گیا۔ اس لیے اس کے بارے میں توقف کیا جائے گا، غور و فکر اور تحقیق کے بعد اگر شبہ کا ازالہ ہو جائے تو اس راوی کی روایت قبول کر لی جائے گی۔ صحیحین کے بہت سے رُواۃ کے بارے میں ایسا ہی ہوا ہے(۳)۔

(۱) مقدمہ فتح الباری ص ۴۴۶ .. .. (۲) فتح المغیث ص ۴۴۰ (۳) تدریب ص ۲۰۲

جرح مُبہم تعدیل پر مقدم ہے اگر جرح مُبہم ہے، اس کے اسباب بیان نہیں کیے گئے ہیں، تحقیق و جستجو کے بعد بھی کوئی وجہ معلوم نہ ہو سکی، جس سے راوی کی عدالت ساقط ہو جائے تو ایسی صورت میں جن ائمہ نے اس راوی کی عدالت کو بیان کیا ہے ان کے بیان کو ترجیح دی جائے گی۔ مولانا عبدالحیٌ لکھنوی لکھتے ہیں: "جرح غیر مفسّر تعدیل پر مقدم نہیں، بلکہ غیر مفسّر جرحوں پر خود تعدیل مقدم ہے۔"(۱)

جن ائمہ کی امامت کو اُمت نے تسلیم کر لیا ہے ان پر کسی کی جرح معتبر نہیں علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ "الجرح مقدم علی التعدیل کا ضابطہ ہر جگہ نہیں استعمال کیا جائے گا، بلکہ جس راوی کی عدالت و ثقاہت ثابت ہو چکی ہو، اس کے بارے میں مدح و توثیق کرنے والوں کی کثرت ہو، اس کے ناقدین قلیل ہوں اور کوئی ایسا قوی قرینہ موجود ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ جرح مذہبی تعصب کی بناء پر کی گئی ہے تو یہ جرح غیر معتبر ہے۔ ..... کسی ناقد کی جرح اس شخص کے حق میں مقبول نہ ہو گی، جس کی طاعات معصیت پر غالب ہوں اور مذمت کرنے والوں کے مقابلہ میں مادحین کی کثرت ہو، اس کی توثیق کرنے والے ناقدین سے زائد ہوں، اور کوئی مذہبی تعصب یا دُنیاوی تنافس کا ایسا قوی قرینہ بھی موجود ہے جس سے معلوم ہو رہا ہے کہ یہی اس جرح کا باعث بنا جیسا کہ معاصر علماء میں ہوا کرتا ہے، چنانچہ سفیان ثوری وغیرہ کا امام اعظم ابوحنیفہؒ پر، اور ابن ذئب وغیرہ کا امام مالک پر اور ابن معین کا امام شافعیؒ پر، اور امام نسائی کا احمد بن صالح پر اسی طرح ہے۔ اگر ہر جگہ "الجرح مقدم علی التعدیل" کا ضابطہ برتا جائے تو کوئی بھی ایسا نہیں جو تنقید سے محفوظ رہ سکے۔(۲)

---

(۱) ظفر الامانی ص۱۸۳ (۲) مقدمہ اوجز المسالک ص۶۵ بحوالہ الطبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۲ ص۹، ۱۰

حافظ ابن عبد البر مالکی لکھتے ہیں :۔

"جن ائمہ کو امت نے اپنا امام بنالیا ہو، ان پر کسی کی تنقید معتبر نہ ہوگی۔"[1]

جرح و تعدیل کا منصب اوپر جو ہم نے تفصیل بیان کی ہے اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جرح و تعدیل کا کام کس قدر نازک و دشوار ہے۔ یہ منصب ہر عالم کو بھی نہیں حاصل ہوسکتا، بلکہ یہ کام تو فی الواقع انھیں ائمہ کا تھا جو اس فن میں کامل مہارت امامت کا مقام رکھتے تھے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ نے ان حضرات ائمہ کو اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی حفاظت و پاسبانی کے لئے پیدا فرمایا تھا، آج کے موجودہ دور میں کچھ لوگ ایسے پیدا ہوگئے ہیں جو اپنی ناقص و محدود عقل سے حدیثوں کو پرکھنے و جانچنے کی کوشش کررہے ہیں جو نہ صرف فنِ حدیث سے ناواقف بلکہ اسلام کے اصول و مبادی سے ناآشنا ہیں یہ درحقیقت یورپ کے مستشرقین کے تلامذہ اور مقلدین ہیں۔ مستشرقین نے جو زہر انھیں اسلام کے خلاف پلایا ہے اسی کا یہ لوگ مختلف انداز میں اظہار کررہے ہیں، چنانچہ احادیث کی صحت و سقم کا اپنی جہالت کے باوجود فیصلہ کرنا اسکی واضح دلیل ہے اور یہ صریح گمراہی و ضلالت ہے، یہ لوگ اپنی ناپاک کوشش کے ذریعہ اسلام میں شک و تذبذب پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ جرح و تعدیل کا منصب ان حضرات کے علاوہ جو دیانت و تقویٰ، حفظ و اتقان اخلاص و للٰہیت کے علاوہ اس فن پر کامل عبور رکھتے ہوں اور کسی کو حاصل نہیں ہوسکتا۔ علامہ سیوطی نے تدریب الراوی میں علم حدیث کے تہتر انواع بیان کیے ہیں اور ہر نوع کی مختلف قسمیں ہیں، ابوحاتم بن حبان نے صرف حدیث ضعیف کے انچاس اقسام بتائے ہیں۔[2] اس سے اسکی اہمیت و دشواری کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

(۱) جامع بیان العلم ج ۲ ص ۱۹۵ (۲) ظفر الامانی ص ۶۵

حافظ شمس الدین سخاوی تحریر فرماتے ہیں :۔

"یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ ہر فن کے مسائل میں اہل فن کی طرف رجوع کیا جاتا ہے حق تعالیٰ شانہ، نے علم حدیث کی حفاظت و صیانت کے لیے ایسے لوگوں کو کھڑا کیا، جنھوں نے علم حدیث کی تحصیل اور اس کے رجال و علل و غوامض کی معرفت میں اپنی زندگیاں فنا کر دیں، پس ایسے اصحاب معرفت اور ایسے کامل تبحرین کے نقش قدم کی پیروی اور ایسے حفاظ وقت کے پاس کثرت صحبت و رفاقت وجودت فہم اور دائمی طور پر مطالعہ سنن کی معرفت کا باعث ہو سکتی ہے۔ نیز بغیر لزوم صحبت و کثرت مطالعہ اور بدون امعان نظر و سعت حافظہ کے ان کے فیصلوں اور رجال و علل کا سمجھنا اور سنن نبوی کی معرفت حاصل ہونا دشوار ہے۔"(۱)

علامہ ذہبی لکھتے ہیں :۔

جرح و تعدیل کا منصب کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اسکی دائمی طلب و جستجو، کثرت مذاکرہ، راتوں کی بیداری، ذکاوت و فہم کے ساتھ ساتھ تقویٰ مضبوط دینداری، اور انصاف پسندی، علمائے وقت کی خدمت میں حاضر باشی اور اور کمال ضبط کے اوصاف سے متصف نہ ہو۔(۲)

مولانا عبد العلی بحر العلوم لکھنوی (م ۱۲۲۵ھ) فرماتے ہیں

"ناقد فن کے لیے ضروری ہے کہ وہ عادل ہو، جرح و تعدیل کے اسباب سے واقف ہو۔ انصاف پسند و خیر خواہ ہو، متعصب و متکبر نہ ہو، کیونکہ متعصب کا قول غیر معتبر ہے۔"(۳)

(۱) فتح المغیث ص ۹۹ (۲) تذکرۃ الحفاظ ج ۱ (۳) فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت ج ۲ ص ۱۵۴

علّامہ نوویؒ رقمطراز ہیں:۔

انما یجوز الجرح لعارف به اما اذا لم یکن الجارح من اهل المعرفة فلا یجوز له الکلام فی احدٍ (۱)	جرح صرف ماہرِ فن کا حق ہے اگر جارح اہلِ معرفت میں نہیں ہے اس کے لیے کسی پر نقد جائز نہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ لکھتے ہیں

وان صدر من غیر عارف بالاسباب لم یعتبر به (۲)	جرح اگر ایسے شخص سے صادر ہو جو اسباب جرح سے ناواقف ہو تو وہ جرح غیر معتبر ہے

ائمہ جرح و تعدیل کے درجات | ائمہ جرح و تعدیل کے مختلف درجات ہیں

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ فرماتے ہیں کہ ناقدین فن کے ہر طبقے میں متشدد و متوسط دونوں طرح کے حضرات رہے ہیں۔

طبقۂ اولیٰ میں شعبہ و سفیان ثوری ہیں، مگر شعبہ سفیان سے سخت ہیں۔

طبقۂ ثانیہ میں یحییٰ بن سعید قطان و عبد الرحمٰن بن مہدی ہیں مگر یحییٰ عبد الرحمٰن سے سخت ہیں۔

طبقۂ ثالثہ میں یحییٰ بن معین و امام احمد بن حنبل ہیں، مگر یحییٰ امام احمد سے سخت ہیں۔

طبقۂ رابعہ میں ابو حاتم و امام بخاری ہیں، مگر ابو حاتم، امام بخاری سے سخت ہیں۔ (۳)

حافظ سخاوی نے علامہ ذہبی کا قول نقل کیا ہے جس سے اس کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ علامہ موصوف فرماتے ہیں،

(۱) مقدمہ شرح مسلم او نووی ص۲ (۲) شرح نخبہ (۳) مقدمہ زہر الربیٰ علی المجتبیٰ از سیوطی ص۱

"ایک جماعت ان ائمہ کی ہے جو جرح میں تشدد اور تعدیل میں تثبت و احتیاط سے کام لیتے ہیں۔ راوی کی دو تین غلطی پر بھی نقد کر دیتے ہیں، یہ جب کسی راوی کی توثیق کریں، تو اس کے قول کو دانتوں سے پکڑ لو، اور جب کسی راوی کو ضعیف قرار دیں، تو غور کر لو کہ آیا اس کے فیصلے کی کسی امام نے موافقت کی ہے؟ اگر کسی امام نے موافقت کی ہے، اور کسی ماہر فن نے توثیق بھی نہیں کی ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ راوی ضعیف ہے، اور اگر اس کی کسی امام نے توثیق کی ہے تو ایسے راوی کے بارے میں محدثین کا ضابطہ ہے کہ اس کے بارے میں جرح اُس وقت مقبول ہو گی جب کہ مفسر ہو، مثلاً ابن معین نے کسی راوی کو ضعیف قرار دیا، اور امام بخاری وغیرہ اس کی توثیق کر رہے ہوں تو مجرد ابن معین کے ضعیف کہہ دینے کی وجہ سے وہ راوی ضعیف نہیں سمجھا جائے گا، جب تک کہ وہ ضعف کا سبب نہ بیان کریں۔

دوسری جماعت ان ائمہ کی ہے جو تسامح و تساہل سے کام لیتے ہیں، جیسے امام ترمذی و حاکم، حافظ سخاوی فرماتے ہیں کہ حافظ ابن حزم بھی اسی جماعت میں شامل ہیں، چنانچہ انھوں نے بھی ابو عیسیٰ ترمذی، ابو القاسم بغوی، اسمٰعیل بن صفار، ابو العباس اصم وغیرہ مشہور ائمہ کو بھی مجہول قرار دے دیا ہے[ع]

تیسری جماعت ان حضرات کی ہے جو نقطۂ اعتدال کو ملحوظ رکھتے تھے، جیسے امام احمد و دار قطنی و ابن عدی۔[1]

(۱) فتح المغیث ص۴۸۳ ع حافظ ابن حزم نے سنن ترمذی و ابن ماجہ کو نہیں دیکھا تھا اور ان کے زمانے میں یہ دونوں کتابیں اندلس میں داخل نہیں ہوئی تھیں۔ سیر اعلام النبلاء از ذہبی

اسی طرح بعض اعتدال پسند ائمہ نے بھی بعض شہروں یا بعض مذاہب کے رُواۃ پر نقد میں تشدد سے کام لیا ہے، جیسے علامہ ذہبی وحافظ ابن تیمیہؒ کا اکابر محققین صوفیاء پر نقد۔(۱) اسی طرح علامہ ذہبی نے اشاعرہ پر انتہائی تشدد سے نقد کیا ہے(۲) اس طرح کی تنقیدیں بھی بحث و تحقیق کی محتاج بن جائیں گی،

مولانا عبدالحی لکھنویؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ان متشددین کے فیصلہ کو قبول کرنے میں عجلت نہ کرنی چاہیے، اور نہ اس کی صحت کا قطعی فیصلہ کرنا چاہیے۔ جب تک کہ دیگر ائمہ فن اور کبار ناقدین نے موافقت نہ کی ہو۔(۳)

رواۃ کے بیان احوال میں محدثین کا طریقہ کار

چونکہ احکام شریعت کا مدار نقل و روایت پر ہے، اس لیے ناقلین حدیث کے حالات بیان کرنے میں حفاظ حدیث نے نہایت غور و فکر سے کام لیا ہے، ان حضرات کا مقصد صحیح و سقیم کی معرفت رہا ہے، اس لئے ان کے حالات کو بیان کرنے میں انتہائی اعتدال واحتیاط سے کام لیا ہے، ان لوگوں نے صرف انھیں امور سے بحث کی ہے، جس کا تعلق راوی کی عدالت یا اس کے حفظ واتقان سے ہے اور ان کے بحث کا انداز خالص علمی رہا ہے، ان کے اس طریقۂ بحث کا مندرجہ ذیل امور سے لگایا جاسکتا ہے،

(۱) کسی راوی پر حکم لگانے میں اسکی خوبیوں اور نقائص دونوں پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں۔ محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ اگر تم اپنے بھائی کے نقائص کو ذکر کرو، اور اس کی خوبیوں کو نظر انداز کردو تو اس پر ظلم ہوگا۔(۴) اس سلسلے میں ان حضرات کی امانت داری اس درجہ پر پہنچی ہوئی تھی۔

---

(۱) الیواقیت والجواہر ج ۱ ص ۱۰ (۲) طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ج ۱ ص ۱۹۰ (۳) تحفۃ الکملۃ علی عمدۃ الطلبۃ ص ۶ (۴) السنۃ قبل التدوین بحوالہ الجامع الاخلاق الراوی والسامع ص ۱۶۱

اگر خود اپنی تحقیق کے خلاف کسی محدث کی صحیح بات پہنچ جاتی تو اس کو تسلیم کرنے میں انھیں انکار نہ تھا، شعبہ بن حجاج نے ایک حدیث روایت کی ان سے کہا گیا کہ آپ سے اسمیں اختلاف کیا گیا ہے، تو انھوں نے دریافت فرمایا کہ کس نے اختلاف کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ سفیان ثوری نے، تو شعبہ نے کہا کہ اس کو چھوڑ دو، کیونکہ سفیان مجھ سے زیادہ یاد رکھنے والے ہیں۔(۱)

(۲) ان حضرات نے حکم لگانے میں انتہائی دقت نظر کا ثبوت دیا ہے، انھوں نے راوی کے پورے حالات زندگی معلوم کرنے کی کوشش کی ہے، راوی کے کلام میں کس زمانے سے اختلاط پیدا ہوا، اس کے وہم کا سبب کیا ہے، راوی میں ضعف کا تعلق دین سے ہے یا حفظ و اتقان سے، ان ساری تفصیلات کا ریکارڈ ان لوگوں نے ہمارے سامنے رکھ دیا ہے

(۳) جرح و نقد میں ادب کو پوری طرح ملحوظ رکھا ہے، جو راوی وضع احادیث کرتا تھا، یا کذب علی النبیؐ کا مرتکب تھا، اس کے بارے میں فلاں وضاع یا کذاب یا یفتری الکذب علی الصحابۃ رضی اللہ عنہم وغیرہ الفاظ استعمال کرتے تھے، جو راوی کی حقیقت حال کے اظہار کے لیے ضروری تھے، لیکن بعض حضرات ان الفاظ سے بھی احتراز کرتے تھے اور صرف (لم یکن مستقیم الحدیث) وغیرہ الفاظ کہتے تھے(۲)

امام مزنی فرماتے ہیں کہ میرے اُستاد امام شافعیؒ نے ایک دن سُنا کہ میں یہ کہہ رہا ہوں کہ فلاں کذاب، تو فرمایا! ابراہیم! (جو امام مزنی کا نام تھا) اس کیلئے اچھے الفاظ استعمال کیا کرو۔ کذاب کے بجائے "حدیثہ لیس بشیٔ" کہا کرو۔(۳)

(۱) جواہر کور ضلالہ اسکی امثلہ کیلیے ملاحظہ ہو الکفایہ صـ۱۳۵ و تقدمۃ الجرح و التعدیل جلد ۱ صـ۱۵۱ و ۱۵۲ (۲) مقدمہ صحیح مسلم صـ۱۳ الجرح والتعدیل جلد ۱ صـ۱۹ (۳) الاعلان بالتوبیخ صـ۶۰

(۴) راوی کی عدالت بیان کرنے میں اس کے اسباب نہیں بیان کرتے تھے، کہ فلاں تہجد گزار ہے، یا اخلاق فاضلہ کا حامل ہے، لوگوں کو اذیت نہیں پہنچاتا، بلکہ ثبتٌ، ثقۃٌ، صدوق وغیرہ سے اس کی عدالت کو بیان کر دیا ہے، لیکن عام طور پر جب راوی کی جرح بیان کرنا ہوتا ہے تو اس کے اسباب بھی بیان کر دیتے ہیں، جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ لیکن جب ایک سبب جرح کے لئے کافی ہوا ہے تو دیگر اسباب سے گریز کیا ہے۔ حافظ سخاوی فرماتے ہیں۔ لایجوز التجریح بشیئین اذا حصل بواحدٍ (۱)

الفاظ جرح و تعدیل کے مراتب

جن راویان حدیث نے روایت کی خدمت انجام دی ہے ان میں اپنے علم و حفظ و ضبط کے لحاظ سے باہم تفاوت ہے بعض لوگ اعلیٰ مقام پر، بعض ان سے کمتر درجہ پر، اور بعض ایسے بھی ہیں جن سے وہم ہو جاتا تھا، یا ان کی عدالت و امانت کے باوجود ان سے سہو و خطا کا صدور بھی بکثرت ہو جاتا تھا، اور ایک جماعت ان لوگوں کی ہے جنھوں نے ناجائز طور پر راویان حدیث کی صف میں داخل ہونے کی کوشش کی ہے، جن کے معاملہ کو ائمہ جرح نے واضح فرمایا ہے اس لیے ائمہ فن نے ہر درجے کے راوی کے لیے ایک معیار مقرر کیا ہے اور اس کیلئے مخصوص الفاظ ہیں، اگرچہ جرح و تعدیل کے ساتھ ہی ان الفاظ کے استعمال کا آغاز ہو چکا تھا مگر سب سے پہلے ان الفاظ جرح و تعدیل کو ابو محمد عبد الرحمن بن حاتم رازی المتوفی ۳۲۷ھ نے مرتب کر کے پیش کیا (۲)۔ ان کے بعد کے ائمہ فن نے ان الفاظ کی تشریح یا تفریع، یا ایسے امور پر تنبیہ کی ہے، جن کا تعلق اس سے کسی حیثیت سے ہے، اصول حدیث یا بعض جالی

(۱) و (۲) فتح المغیث ص ۳۲۵

کی کتابوں میں ان کو تفصیل یا اجمال سے ذکر کیا گیا ہے،

علامہ سندی نے شرح نخبہ میں اور حافظ سخاوی نے (شرح الالفیہ)[1] میں اس کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے، چھ درجے الفاظ جرح کے اور چھ درجے الفاظ تعدیل کے ہیں، اور ہر درجہ کے لیے ایک قاعدہ کلیہ ہے۔

مراتب الفاظ تعدیل

(۱) الفاظ تعدیل میں سب سے ارفع لفظ یہ ہے، کہ کسی راوی کی توثیق ایسے لفظ سے کی جائے جس میں مبالغہ کے معنی پائے جائیں یا افعل کے صیغہ سے اسکی تعدیل کی گئی ہو جیسے اوثق الناس، اضبط الناس، والیہ المنتھی فی التثبت، اور اسی درجہ میں لا اعرف لہٗ نظیرا فی الدنیا، ہے۔

(۲) توثیق ایسی صفت کے ساتھ کی گئی ہو، جو راوی کی توثیق وعدالت پر دلالت کرے، خواہ اسی لفظ کو مکرر لایا گیا ہو، یا اس کے ہم معنی کوئی دوسرا لفظ ہو، جیسے ثقۃ ثقۃ، ثقۃ مأمون، ثقۃ حافظ،

(۳) توثیق ایسے لفظ سے کی گئی ہو، جو راوی کی عدالت کے ساتھ اس کے ضبط کو بھی ظاہر کر رہا ہو۔ جیسے ثبت، متقن، حجۃ، امام،

(۴) ایسے لفظ سے راوی کی توثیق کی گئی ہو، کہ اس میں ضبط واتقان ظاہر نہ ہو رہا ہو، جیسے صدوق، مأمون، لا بأس بہ،

(۵) راوی کی توثیق ایسے لفظ سے کی گئی ہو جو راوی کی صداقت کیطرف اشارہ کرے، مگر اسکے ضبط پر دلالت نہ کرے، یہ چوتھے مرتبہ کے قریب قریب ہے، مگر اس کا درجہ اُسکے بعد ہے، جیسے محلۃ الصدق، صالح الحدیث،

---

(۱) شرح الالفیہ ص ۱۵۶ — ۱۶۰

(۶) ایسے لفظ سے توثیق کی گئی ہو۔ کہ راوی مجروح ہونے کے قریب پہنچ جائے جیسے پانچویں درجہ کے الفاظ کے ساتھ انشاء اللہ کا اضافہ کر دیا گیا ہو، یا شیخ لیس ببعید من الصواب، صُوَیلحٌ صدوق انشاء اللہ۔

الفاظ جرح کے مراتب (۱) جو لفظ جرح مبالغہ پر دلالت کرے، جیسے اکذب الناس، رکن الکذب،

(۲) جرح کذب یا وضع کے سبب کی گئی ہو، جیسے کذّاب، وضاع، یہ الفاظ بھی مبالغہ پر دلالت کرتے ہیں مگر ان کا مرتبہ پہلے درجہ کے بعد ہے۔

(۳) ایسے لفظ سے جرح کی گئی ہو جس سے راوی کا متّہم بالکذب یا متّہم بالوضع ہونا معلوم ہوتا ہو جیسے متہم بالکذب و متّہم بالوضع ویسرق الحدیث اسی درجہ میں یہ الفاظ بھی ہیں ہالک، متروک، لیس بثقة،

(۴) ایسے لفظ سے جرح کی گئی ہو جو راوی کے ضعف شدید کو ظاہر کرے جیسے رُدّ حدیثہ طرح حدیثہ، ضعیف جدا، ولیس شئ، لایکتب حدیثہ،

(۵) اس درجہ میں وہ تمام الفاظ داخل ہیں جو راوی کے ضعیف ہونے یا اسکے حفظ کے اضطراب پر دلالت کریں، جیسے مضطرب الحدیث، لایحتج بہ، ضعّفوہ، ضعیف لہٗ مناکیر،

(۶) راوی پر ایسے وصف کے ساتھ جرح کی گئی ہو، جو اس کے ضعف کی طرف اشارہ کرے، لیکن تعدیل سے بھی قریب ہو، جیسے لیس بذالک القوی، فیہ ضعف، غیرہ أوثق منہ،

ائمہ فن کی مخصوص اصطلاحات کتب اسماء الرجال سے استفادہ کے لیے ائمہ فن کی مخصوص اصطلاحات اور ان کے درجات کا جاننا ضروری ہے۔ حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں،

وثم اصطلاحات لاشخاص ينبغي التوقيف عليها[1] یعنی بعض محدثین کی مخصوص اصطلاحات ہیں جن سے واقفیت ضروری ہے،

اس کی تفصیلی بحث کے لیے مولانا عبدالحیؒ لکھنوی کی کتاب "الرفع والتکمیل" کا مطالعہ نہایت مفید ہے، ہم یہاں چند باتوں کی طرف اجمالی اشارہ کر رہے ہیں۔

(۱) امام یحییٰؒ بن معین کی مخصوص اصطلاحات

میزان الاعتدال وغیرہ کتابوں میں بعض راویان حدیث کے بارے میں ابن معین کا یہ قول نقل کیا گیا ہے "انه ليس بشيء" اس سے کسی کو دھوکا نہ کھانا چاہیے کہ ابن معین نے اس راوی پر کوئی قوی جرح کر دی ہے، بلکہ ابن معین کی یہ مخصوص اصطلاح ہے، اس سے مراد ان کی یہ ہوتی ہے کہ اس راوی کی حدیثیں قلیل ہیں[2]۔

ابن ابی خیثمہ نے یحییٰ بن معین سے دریافت کیا کہ آپ کسی راوی کے بارے میں فرماتے "فلان ليس به بأس" "فلان ضعيف" تو اس کا کیا مطلب ہے، تو ابن معین نے جواب دیا کہ جب میں (ليس به بأس) کہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثقہ ہے اور جب (ضعيف) کہوں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ثقہ نہیں ہے اور نہ اسکی حدیث لکھنے کے قابل ہے[3]۔

ابن معین جب کسی راوی کے بارے میں "يكتب حديثه" فرمائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ راوی ضعفاء کی جماعت میں شامل ہے[4]۔

(۲) امام بخاری کے قول فیہ نظر و فلانٌ سکتوا عنہ کا مطلب

امام بخاری جب کسی راوی کے حق میں "فيه نظر" و "فُلان سكتوا عنه" امام صاحب کا یہ قول ان لوگوں کے حق میں ہے جن کی حدیثوں کو لوگوں نے ترک کر دیا ہے[5]۔ اسی طرح امام بخاری جب کسی راوی کے

(۱) اختصار علوم الحدیث ص۱۰۵ (۲) مقدمہ فتح الباری، ج ۲ ص۱۴۲ (۳) فتح المغیث ص۱۵۹

(۴) میزان الاعتدال، ج ۱ ص۳۳ (۵) شرح الفیۃ الحدیث للعراقی ص۱۱ ج ۲

حق میں "منکر الحدیث" فرمائیں، تو ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ اس راوی سے روایت جائز نہیں[1] اور جب اسی لفظ کو امام احمد وغیرہ کسی راوی کے حق میں فرمائیں تو اس سے لازم نہیں آتا کہ وہ راوی ناقابل استدلال ہے۔ بلکہ اس کا اطلاق اس حدیث غریب پر کرتے ہیں جس کا کوئی متابع نہ ہو۔[2]

(۳) **روی المناکیر و منکر الحدیث میں فرق** روی المناکیر، یروی المناکیر، وفی حدیثہ نکارۃ کے درمیان اور منکر الحدیث کے درمیان فرق ہے، پہلے تینوں الفاظ میں سے اگر کوئی لفظ کسی راوی کے لیے استعمال کیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس پر قابل لحاظ جرح کر دی گئی اور "منکر الحدیث"، اگر کسی راوی کو کہا گیا ہے تو اس سے اس پر قابل لحاظ جرح شمار نہ ہو گی۔[3]

اسی طرح علماء متقدمین اور متاخرین کے درمیان، ھذا حدیث منکر کہنے میں فرق ہے۔ متقدمین اس سے راوی کا متفرد ہونا مراد لیتے تھے، اگرچہ راوی ثقہ ہو، اور متاخرین اس کا اطلاق اس روایت پر کرتے ہیں جب ضعیف راوی ثقات کی مخالفت کرے[4]

(۴) **علامہ ذہبی کی اصطلاحات** "میزان الاعتدال" میں حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ جس راوی کے بارے میں، میں کہوں (مجہول) اور اس قول کی نسبت کسی کی طرف نہ کروں تو جان لینا چاہیئے کہ وہ ابو حاتم کا قول ہے[5]

اور اگر میں کسی راوی کے حق میں "فیہ جہالۃ، اونکرۃ، یجھل، لایعرف یا اسی طرح کے الفاظ استعمال کر دوں اور قائل کو نہ لکھوں تو یہ خود میرا اپنا قول ہوتا ہے،

(۱) میزان الاعتدال طبع جدید ج ۱ ص ۱۴۱، (۲) مقدمہ فتح الباری، ج ۲ ص ۱۵۰ (۳) فتح المغیث ص ۱۶۲ (۴) میزان، ج ۱ ص ۵،

جس طرح ثقۃٌ، صدوق، صالحٌ، لیّن، وغیرہ الفاظ کسی کی طرف منسوب نہ ہوں تو وہ میرا قول ہے، اور میرا ہی اجتہاد ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی کتاب میزان میں تمام غیر معروف رُواۃ کا استیعاب نہیں کیا ہے۔ بلکہ اس طرح کے بہت سے حضرات کا ذکر کیا ہے لیکن ابو حاتم جن رواۃ کے حق میں مجہول کہتے ہیں ان کا استیعاب ہے۔ (۱)

(۵) ابو حاتم کے مجہول کہنے کا مطلب ابو حاتم کے کسی راوی کو مجہول کہنے اور دیگر محدثین کے مجہول کہنے میں فرق ہے عـــ۵ ۔ اس لیے ابو حاتم اگر کسی راوی کو مجہول کہیں تو اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے جب تک کہ دوسرے ائمۂ نقد نے ان سے اتفاق نہ کیا ہو، حافظ بن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ "حکم بن عبد اللہ بصری" کو ابو حاتم نے مجہول کہا، حالانکہ وہ مجہول نہیں ہیں، ان سے چار ثقہ راویوں نے روایت کی ہے اور امام ذہلی نے ثقہ قرار دیا۔ (۲)

(۶) امام احمد بن حنبلؒ کی اصطلاح حافظ ذہبی "یونس بن ابو اسحٰق عمرو السبیعی" کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ عبد اللہ بن احمد نے کہا کہ میں نے اپنے والد (امام احمد بن حنبل) سے یونس بن اسحاق کے بارہ میں دریافت کیا، تو انھوں نے فرمایا "کذا وکذا"، حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ استقراء کے بعد معلوم ہوا۔ کہ اس طرح کے الفاظ میں راوی کی کمزوری کی طرف اشارہ کیا ہے۔ (۳)

(۷) ابن القطان کی اصطلاح ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الملک فاسی م ۶۲۸ھ "ابن القطان" سے مشہور ہیں۔ ان کا قول "میزان الاعتدال" میں بعض رواۃ کے حق میں نقل

---

(۱) میزان، ج ۱ صفحہ ۹ (۲) مقدمہ فتح الباری صفحہ ۱۲۴ ج ۲ (۳) میزان ج ۳ ص ۳۳۹

عـــ۵ ابو حاتم مجہول سے مجہول الحال ہونا مراد لیتے ہیں اور دیگر محدثین اس سے مجہول العین ہونا مراد لیتے ہیں۔

کیا گیا ہے، مالا یعرف لہ حال، لم تثبت عدالتہ، یا ابن قطان کی خاص اصطلاح ہو۔
حافظ ذہبی فرماتے ہیں کہ اس سے ان کی مراد یہ ہوتی ہے کہ اس راوی کے کسی معاصر امام یا شاگرد سے اسکی کوئی توثیق منقول نہیں۔ اگرچہ وہ راوی فی نفسہ ثقہ ہو۔(۱)

(۸) یحیی بن سعید قطان کے ترکہ کہنے کا مطلب

یحیی بن سعید قطان کا قول اگر "تہذیب التہذیب" یا "میزان" میں کسی راوی کے بارے میں "ترکہ یحیی" اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ راوی ناقابل استدلال ہو گیا، امام ترمذی نے کتاب العلل" میں صراحت کی ہے۔ یحیی بن سعید قطان کا مطلب یہ ہے کہ وہ راوی متہم بالکذب نہیں، صرف اس کے حافظہ کی کمزوری کے سبب اس راوی سے روایت ترک کر دی ہے۔(۲)

(۹) محدثین کے کسی حدیث کو صحیح الاسناد کہنے کا مطلب

محدثین کرام جب کسی حدیث کے بارے میں ھذا حدیث صحیح الاسناد، یا حسن الاسناد فرماتے ہیں، یہ ان کے حدیث صحیح یا حسن کہنے سے فروتر ہے، کیونکہ کبھی کسی حدیث کو صحیح الاسناد کہا جاتا ہے، حالانکہ وہ حدیث اپنے شاذ یا معلل ہونے کی وجہ سے صحیح نہیں ہوتی۔(۳) مگر جب کسی معتمد مصنف نے "صحیح الاسناد" کہا ہے اور اس کی کوئی علت قادحہ نہیں بیان کی اور نہ ہی کوئی جرح کی، تو بظاہر یہ فیصلہ کیا جائے گا کہ وہ حدیث فی نفسہ صحیح ہے، کیونکہ علت و جرح کا نہ ہونا ہی اصل ہے۔ بظاہر اس مصنف نے تلاش و تفتیش کے بعد ہی فیصلہ کیا ہوگا۔

(۱۰) کسی حدیث کے صحیح یا حسن یا ضعیف کہنے کا مطلب

جب محدثین کرام کسی حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کا فیصلہ کریں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ظاہر اسناد کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا گیا ہے، نفس الامر میں قطعی طور پر صحت کا فیصلہ نہیں ہے، اس لیے ثقہ راوی سے بھی خطا و

(۱) میزان، ج ۱ ص ۱۶ (۲) کتاب العلل للترمذی (۳) مقدمہ ابن صلاح ص ۴۳

نسیان کا امکان ہے، اسی طرح "حدیث ضعیف" کا مطلب بھی یہی ہے کہ حدیث میں صحت کے شرائط نہیں پائے گئے۔ نہ یہ کہ نفس الامر میں وہ حدیث باطل ہے، اس لیے کہ جھوٹے راوی سے بھی صدق کا اور کثیر الخطاء سے صواب کا بھی امکان ہے،

(۱۱) محدثین کرامؒ کے لایصح و لایثبت فرمانے کا مطلب

جب کسی حدیث کے بارے میں "لایصح" یا لایثبت کہا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آیا کہ وہ حدیث موضوع ہے یا ضعیف ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ عدم ثبوت سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔[1] حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں "حدیث کو "لایصح" کہنے سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔[2] ممکن ہے وہ حدیث حسن یا حسن لغیرہ ہو[3]

ان اصطلاحات کا علم اسماء الرجال اور فن جرح و تعدیل کے طالب علم کے لیے جاننا ضروری ہے۔ ورنہ اس فن کی کتابوں سے استفادہ میں بہت سی غلطیوں کا امکان ہے۔ تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو مولانا عبدالحی لکھنوی کا رسالہ "الرفع والتکمیل" مع تعلیق عبدالفتاح ابوغدہ۔

حدیث کی تصحیح و تضعیف کا مقام

جرح و تعدیل کے جو قاعدے و ضابطے اوپر بیان کئے گئے، کتب اسماء الرجال سے استفادہ کے لیے ان کا پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔

ان اصولوں کی روشنی میں محدثین کرام نے جس روایت کو صحیح یا حسن، ضعیف یا موضوع قرار دیا ہے۔ اس کی علت و سبب کو معلوم کیا جا سکتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان اصولوں کو سامنے رکھ کر تمام ذخیرۂ احادیث پر ہر شخص رائے زنی کرنے لگے، کیونکہ مجرد اسناد کو دیکھ کر اس دور میں حدیث کی تصحیح و تحسین دشوار ہے۔ شیخ ابن صلاح المتوفی ۶۴۳ھ نے تو علماء

(۱) تذکرۃ الموضوعات للقاری ص۵ (۲) شرح الفیہ للعراقی، ج ۱ ص ۱۰۱ (۳) القول المسدد ص۹ (۴) نتائج الافکار ص۲۵

متأخرین کو ان کی ضعف نظر کی بنا پر اسکی اجازت نہیں دی ہے۔ فرماتے ہیں۔

قد تعذر فی هذه الاعصار	صرف اسانید کے اعتبار پر اس زمانے
الاستقلال بادراك الصحيح	میں مستقل طور سے حدیث صحیح کا
بمجرد الاسانيد (الى) فآل	ادراک دشوار ہے، اس لیے بالآخر
الامر فی معرفة الصحيح و	حدیث کے صحیح وحسن کی معرفت میں
الحسن الى الاعتماد على مانص	ائمۂ متقدمین کے فیصلہ پر اعتماد کرنا
عليه ائمة الحديث (۱)	کرنا پڑے گا۔

حافظ سخاوی لکھتے ہیں، کہ اس کا دروازہ شیخ ابن صلاح اس لیے بند کرنا چاہتے ہیں کہ متاخرین میں ایسے لوگ جری نہ ہوجائیں جو ایسے نازک مباحث پر کلام کرنے کی اہلیت اور کتب حدیث کی سند و علل اور اس کے مطالب کے کشف و ایضاح کی صلاحیت نہیں رکھتے، اور وہ وظائف و ذمہ داریاں نہیں ادا کر سکتے جو ان کے مطالعہ و ممارست کا حق ہے۔ (۲)

لیکن علامہ نووی نے شیخ ابن صلاح سے اختلاف کرتے ہوئے تصحیح کی اجازت دی ہے، وہ فرماتے ہیں الاظهر عندی جوازه لمن تمكن وقويت معرفته۔ (۳) میرے نزدیک ایک ایسے محدث کے لیے جو فن پر قادر ہو اور معرفت کی اس میں پوری صلاحیت ہو تو اس کے لیے تصحیح کی اجازت ہے، علامہ عراقی نے لکھا ہے کہ اسی پر محدثین کا عمل ہے۔ (۴)

لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ کام نہایت دشوار و نازک ہے، امام علائی (م ۷۶۱ھ) علامہ ابن جوزی کی کتاب الموضوعات پر نقد کرتے ہوئے فرماتے

(۱) مقدمہ ابن صلاح طبع قدیم ص ۹ (۲) فتح المغیث ص ۱۰ (۳) تدریب الراوی ص ۵۹ (۴) شرح الفیہ الحدیث للعراقی ج ۱ ص ۶۶

ہیں کہ علامہ موصوف نے اپنی کتاب الموضوعات میں نہایت تشدد سے کام لیا ہے ۔۔۔۔۔
علمائے متاخرین کے لیے کسی حدیث پر فیصلہ نہایت دشوار ہے، اس میں کلام کی گنجائش ہے۔
برخلاف ائمہ متقدمین کے جن کو حق تعالے نے علم حدیث میں تبحر اور حفظ کی وسعت عطا فرمائی تھی
جیسے شعبہ وقطان اور ان کے صاحبزادے وغیرہ اور ان کے تلامذہ جیسے امام احمد وابن المدینی
وابن راہویہ، اور ایک جماعت پھر ان کے تلامذہ امام بخاری ومسلم وابوداؤد وترمذی ونسائی،
اور یہ سلسلہ دار قطنی وبیہقی کے دور تک رہا ۔ لم یجئ بعدھم مساوٍ ولا مقارب، ان کے
برابر کا، یا ان کے ہم پلہ اور کوئی نہیں ہوا ۔۔۔ ۔۔۔ ۔۔۔

فمتی وجدنا فی کلام احد	پس جب ہم متقدمین میں سے کسی کے
من المتقدمین الحکم به کان	کلام میں کسی حدیث پر فیصلہ پائیں گے
معتمد الما اعطاھم الله الحفظ	تو وہ قابل اعتماد ہوگا، کیونکہ اللہ تعالیٰ
العزیز وان اختلف النقل عنھم	نے انھیں بہت زیادہ حفظ کی دولت
عدل الی الترجیح۔ (۱)	عطا فرمائی تھی، اور اگر ان میں اختلاف

ہوگا تو ترجیح کا راستہ اختیار کیا جائے گا ۔

اگرچہ مولانا عبدالحی لکھنوئی نے اس میں نظر قائم کی ہے کیونکہ کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ
ایک حدیث کی کسی متقدم محدث نے تضعیف کی ہے، مگر دلائل وشواہد کی بنا پر علماء متاخرین
نے اس کی تصحیح کی ہے، یا اس کے برعکس معاملہ ہے (۲)

لیکن جیسا ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ جرح وتعدیل کا منصب ہر عالم کو بھی نہیں دیا
جاسکتا، اسی طرح حدیث کی تصحیح وتضعیف کے فیصلہ کا حق بھی ہر شخص کو نہیں دیا جاسکتا ۔

---

(۱) ظفر الامانی ص ۲۷ (۲) تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص ۲۰

جن کتابوں میں صحیح وحسن وضعیف ہر طرح کی روایات ہیں، ان سے استفادہ کرنے کے سلسلے میں حافظ بن حجر عسقلانی فرماتے ہیں۔

بالجملة فالسبيل واحد لمن	خلاصہ یہ کہ اس شخص کے لیئے ایک ہی
اراد الاحتجاج بحديث السنن	راستہ ہے جو کتب سنن بالخصوص سنن
لاسيما سنن ابن ماجة و	ابن ماجہ اور مصنف ابی بکر شیبہ و
مصنف ابي بكر بن شيبة و	مصنف عبدالرزاق (جس کا معاملہ
عبدالرزاق مما الامر فيه اشد	زیادہ دشوار ہے) یا مسانید کی کسی حدیث
او بحديث من المسانيد لان	سے استدلال کرنا چاہے، کیونکہ ان
هذه كلها لم يشترط	کتابوں کے مصنفین نے صحت وحسن کا
جامعوها الصحة والحسن الخ	التزام نہیں رکھا ہے،

وہ راستہ یہ ہے۔ اگر نقل وتصحیح حدیث کی اہلیت ہے تو ان دونوں (صحیح وحسن) میں سے کسی سے استدلال جائز نہیں جب تک اسکی پوری واقفیت نہ ہو، اور اگر اپنے اندر اہلیت نہیں ہے تو اس میں کسی اہل کی پیروی کرنی چاہیئے، ورنہ رات میں لکڑی چننے والے کی طرح ان سے استدلال پر اقدام نہ کرے، کیونکہ غیر شعوری طور پر ہو سکتا ہے، کہ حدیث باطل سے استدلال کرنے لگے (۱)

بہرحال حدیث کی تنقید وتحقیق صرف ماہرین فن ہی کا حق ہے، موجودہ دور میں آزاد خیال اور معمولی عربی جاننے والوں کے لیے کسی طرح حدیث پر رائے زنی جائز نہیں قرار دی جاسکتی۔

(۱) الرفع والتکمیل ص ۲۰

مولانا عبدالحی لکھنوی تحریر فرماتے ہیں :-

ولا تبادر تقلید ابمن لا یفهم	جو لوگ حدیث کو نہیں سمجھتے، اور اسکے
الحدیث ولا اصوله ولا یعرف	اصول وفروع سے ناواقف ہیں،
فروعه الی تضعیف الحدیث	ان کی تقلید جلدی سے نہ کرنے لگو،
وتوهینه بمجرد الاقوال	کہ صرف مبہم اقوال اور غیر مفسر جروح
المبهمة والجروح غیر المفسرة (۱)	سے حدیث کو ضعیف کمزور قرار دیدیا

---

(۱) الرفع والتکمیل ص۲۸

فن اسماء الرجال میں ائمہ کی اہم و مشہور کتابیں

اس آخری باب میں ہم اجمالی طور پر ائمہ فن کی مشہور اور اہم کتابوں کا تعارف کر رہے ہیں، جس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ علماء اُمت نے علم حدیث کی حفاظت و صیانت کے لیے کس قدر مشقتیں برداشت کی ہیں۔ نیز ہر کتاب کے تعارف کے ساتھ اسکی نشان دہی بھی کی گئی ہے کہ ان میں کون سی کتابیں مخطوط ہیں اور کون سی چھپ کر شائع ہو گئی ہیں جس کی خاص طور سے اہل علم کو ضرورت رہتی ہے، اور اسی طرح بعض ان کتابوں کا بھی ذکر آگیا ہے جو اگرچہ آج نایاب ہیں، مگر اپنے موضوع پر اہم قرار دی گئی ہیں، اس سلسلے میں "الرسالۃ المستطرفۃ"، ابو جعفر کتانی، اور علامہ زرکلی کی "الاعلام"، اور محمد عجاج الخطیب کی "السنۃ قبل التدوین" خصوصیت سے میرے پیش نظر رہی ہیں۔

حالات صحابہؓ پر اہم و مشہور کتابیں جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ صحابہ کرامؓ کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی، مگر عام طور سے کتابوں میں صرف انھیں حضرات کے تراجم ملتے ہیں جنھوں نے نقل حدیث اور روایت کی خدمت انجام دی ہے یا کسی حدیث میں ذکر آگیا ہے،

(۱) معرفۃ من نزل من الصحابۃ سائر البلدان:۔ از امام ابو الحسن علی بن عبد اللہ المدینی (المولود ۱۶۱ھ وفات ۲۳۴ھ) (۱)

(۲) کتاب المعرفۃ:۔ از ابو محمد عبد اللہ بن عیسیٰ مروزی (المولود ۲۲۰ھ وفات ۲۹۳ھ)

(۱) الرسالۃ المستطرفۃ ص ۹۵

یہ کتاب ۱۵۵ اجزاء میں حالاتِ صحابہؓ کے تعارف میں تھی۔ (۱)

(۳) کتاب الصحابہؓ :۔ از امام محمد بن حبان ابو حاتم بستی (المولود ۲۷۰ھ وفات ۳۵۴ھ) (۲)

(۴) الاستیعاب :۔ از ابو یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر نمری قرطبی مالکی (المولود ۳۶۸ھ وفات ۴۶۳ھ) مصنف نے یہ نام اس خیال سے رکھا ہے کہ انھوں نے اس کتاب میں ان تمام صحابہؓ کا استیعاب کر لیا ہے جن کا ذکر کہیں آیا ہے، مگر واقعہ یہ ہے کہ بہت سے حضرات کے تراجم مصنف سے چھوٹ گئے ہیں، اس کتاب میں صرف (۳۵۰۰) صحابۂ کرامؓ کے تراجم ہیں۔ ہندوستان میں دو جلدوں میں اور مصر سے چار جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

"الاستیعاب" پر بہت سے علماء نے ذیل میں لکھا ہے بالخصوص ابن فتحون اندلسی المتوفی ۵۱۷ھ اور ابو الحجاج یوسف بن محمد بن مقلد المتوفی ۵۵۰ھ کے ذیل مشہور ہیں۔

(۵) اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ :۔ از مؤرخ عز الدین ابو الحسن علی بن محمد (ابن الاثیر) (المولود ۵۵۵ھ وفات ۶۳۰ھ) (۷۵۵۴) صحابۂ کرامؓ کے تراجم پر مشتمل ہے۔ اس کتاب میں مصنف سے تسامح بھی ہوا ہے، مصر سے ۱۲۸۶ھ میں طبع ہو چکی ہے، اس کا اردو میں حضرت مولانا عبد الشکور لکھنویؒ نے ترجمہ بھی کیا ہے۔

(۶) تجرید اسماء الصحابۃ :۔ از حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن احمد ذہبی (المولود ۶۷۳ھ، وفات ۷۴۸ھ) ہندوستان میں ۱۳۱۰ھ میں طبع ہو چکی ہے

(۷) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ :۔ از حافظ شہاب الدین احمد بن علی عسقلانی (ابن حجر) (المولود ۷۷۳ھ، وفات ۸۵۲ھ) یہ کتاب اپنے موضوع پر نہایت مشہور اور جامع

(۱) الرسالۃ المستطرفہ ص ۹۵ و معجم المصنفین، ص ۱۳۵ ج ۱۴ (۲) الاعلام، ج ۶ ص ۳۰۶

قرار دی گئی ہے، ابتدا کی چھ جلدوں میں اسماء صحابہؓ ہیں جن کی تعداد (۹۴۷۰) ہے اور ساتویں جلد کُنی پر مشتمل ہے، اس میں (۱۲۵۷) کنیتیں ہیں، جن کا ذکر پہلے آچکا ہے اور آٹھویں جلد صحابیات کے تراجم پر مشتمل ہے جن کی تعداد (۱۵۴۵) ہے حیدرآباد دائرۃ المعارف سے بھی چھپ چکی ہے، اور مصر سے بھی طبع ہو چکی ہے۔

(۸) الریاض المستطابة فی جملة من روی فی الصحیحین من الصحابة :۔ از شیخ یحییٰ بن ابوبکر عامر یمنی (المولود ۸۱۶ھ وفات ۸۹۳ھ) اس میں ان صحابۂ کرامؓ کا تذکرہ ہے، جن سے صحیحین میں روایت ہے۔ مصنف نے حروف تہجی کے لحاظ سے اس کو مرتب کیا ہے، یہ نہایت مفید رسالہ ہے۔ ۱۳۰۳ھ میں ہندوستان میں چھپ چکا ہے۔

(۹) در الصحابة من دخل مصر من الصحابة :۔ از حافظ جلال الدین سیوطی (و ۸۴۹ھ م ۹۱۱ھ) یہ ایک مختصر رسالہ ہے، جو "حسن المحاضرہ" کے ساتھ مصر سے چھپ چکا ہے اور اب علیحدہ سے بھی طبع ہو گیا ہے۔

(۱۰) البدر المنیر فی صحابة البشیر النذیر :۔ از شیخ محمد قائمؒ بن صالح سندی حنفی قادری، ان کا سن وفات متعین طور سے معلوم نہ ہو سکا، البتہ ۱۱۴۵ھ سے قبل مصنف باحیات تھے، انھوں نے اپنی کتاب میں ان صحابۂ کرام کا ذکر کیا ہے جن کی صحابیت کسی روایت یا اور کسی ذریعے سے معلوم ہو سکی ہے، اس کا قلمی نسخہ قاہرہ کے کتب خانہ "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے۔

(۲) — تاریخ رجال کی اہم کتابیں :۔

(۱) تاریخ الرواة :۔ از امام یحییٰ بن معین (المولود ۱۵۸ھ المتوفی ۲۳۳ھ)

مصنف نے اس کو حروف معجم پر مرتب کیا تھا۔[1] معجم المصنفین کے مصنف نے ان کی دو اور کتابوں "معرفۃ الرجال" اور "التاریخ والعلل" کا بھی ذکر کیا ہے،[2]

(۲) التاریخ : از امام احمد بن محمد حنبل (المولود ۱۶۴ھ وفات ۲۴۱ھ)[3]

(۳) التاریخ الکبیر :- از امام ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری (المولود ۱۹۴ھ وفات ۲۵۶ھ) یہ نہایت جامع کتاب ہے۔ اس کو مصنف نے حروف معجم کی ترتیب پر مرتب کیا ہے، اور عہد صحابہؓ سے اپنے دور تک تقریباً چالیس ہزار رجال حدیث کے حالات قلمبند کیے ہیں۔ ان میں مرد، عورت، ضعیف و ثقہ سب شامل ہیں۔ امام موصوف نے اٹھارہ سال کی عمر میں مدینہ منورہ کی چاندنی راتوں میں اس عظیم الشان کتاب کو تصنیف فرمایا ہے۔ علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں کہ اس میں بھی امام صاحب کو (بہ لحاظ جامعیت) شرف اولیت حاصل ہے۔ ان کے بعد جن لوگوں نے تاریخ رجال، اسماء و کنیٰ پر کتابیں لکھی ہیں، سب ان کے خوشہ چین ہی ہیں۔[4] حرف اول کے بعد کتاب میں ترتیب قائم نہ رہ سکی، نیز جرح و تعدیل سے بہت کم تعرض کیا ہے۔ البتہ جب صحابی کا نام آیا ہے تو اسکی طرف اشارہ کردیا ہے۔ آٹھ ضخیم جلدوں میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے طبع ہو چکی ہے، نیز مصنف کی التاریخ الوسط والتاریخ الصغیر بھی ہے، التاریخ الصغیر ہندوستان میں ایک جلد میں چھپ چکی ہے۔

(۴) الهدایة والارشاد فی معرفة اهل الثقة والسداد :- از ابو نصر احمد بن محمد بن حسین کلاباذی (المولود ۳۰۶ھ وفات ۳۹۸ھ) اس میں مصنف نے ان

(۱) الرسالۃ المستطرفۃ ص ۹۶ (۲) معجم المصنفین ج ۲ ص ۲۳ (۳) الاعلام ج ۱ ص ۱۹۲ (۴) رسالۃ المستطرفۃ ص ۱۳۹

لوگوں کا ذکر کیا ہے جن سے امام بخاری نے اپنی "صحیح" میں روایات کی تخریج کی ہے اس کا قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ قاہرہ میں موجود ہے۔

(۵) تاریخ نیسابور: از محمد بن عبد اللہ حاکم نیسابوری کی کتاب ہے جو ابن البیع سے مشہور ہیں۔ ان کی ولادت سنہ ۳۲۱ھ اور وفات سنہ ۴۰۵ھ میں ہوئی علامہ تاج الدین سبکی فرماتے ہیں: "میرے نزدیک یہ نہایت مفید کتاب ہے۔ جو شخص اس کتاب پر نظر ڈالے گا، وہ مصنف کے مختلف فنون پر عبور کی شہادت دے گا(۱)

(۶) تاریخ بغداد:۔ یہ ابو بکر احمد بن علی بن ثابت بن احمد بغدادی شافعی (و سنہ ۳۹۲ھ م سنہ ۴۶۳ھ) کی جلیل القدر اور نہایت مفید و مشہور کتاب ہے۔ اس میں مصنف نے بغداد کی شخصیات اور وہاں آنے والوں کا تذکرہ اور مختلف فوائد لکھے ہیں، اس کو مصنف نے حروف تہجی پر مرتب کیا ہے، اس میں ثقات، ضعفاء و متروکین کا ذکر ہے یہ کتاب (۷۸۳۱) حضرات کے تذکروں پر مشتمل ہے، قاہرہ سے سنہ ۱۳۴۹ھ (سنہ ۱۹۳۱ء) میں چودہ ۱۴ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔

(۷) الجمع بین رجال الصحیحین:۔ یہ حافظ ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی جو قیسرانی شیبانی سے مشہور ہیں (المولود سنہ ۴۴۸ھ المتوفی سنہ ۵۰۷ھ) مصنف نے اس کتاب میں ابو نصر کلاباذی اور ابو بکر احمد بن علی اصبہانی کی کتابوں سے صحیحین کے رجال کو جمع کر دیا ہے۔ دو جلدوں میں ہندوستان میں سنہ ۱۳۲۳ھ میں چھپ چکی ہے۔

(۸) المغنی فی اسماء رجال الحدیث: شیخ محمد طاہر پٹنی۔ یہ تقریب التہذیب کے

(۱) الرسالۃ المستطرفہ ص ۹۹

حاشیہ پر ۱۳۲۰ھ میں حیدر آباد میں چھپ چکی ہے

(۹) تاریخ دمشق : از حافظ ابو القاسم علی بن حسین (ابن عساکر) دمشقی (و ۴۹۹ھ م ۵۷۱ھ) یہ نہایت عظیم الشان اور جامع کتاب تھی، اسّی سے زائد جلدوں میں تھی، اسکی ۳۷ جلدیں قاہرہ کے مشہور کتب خانہ (دار الکتب المصریہ) میں موجود ہیں شیخ عبدالقادر بدران نے اس کی اسانید و مکررات کو حذف کر کے اختصار کیا ہے اور اپنی اس مختصر کا نام "تہذیب تاریخ ابن عساکر" رکھا ہے۔ اس کی سات جلدیں دمشق سے ۱۳۲۹ھ میں شائع ہو چکی ہیں۔

(۱۰) کتاب الکمال فی اسماء الرجال : از ابو القاسم عبدالکریم بن محمد رافعی قزوینی (المولود ۵۵۷ھ وفات ۶۲۳ھ) یہ قزوین کی خصوصیات اور وہاں کے اخبار و آثار اور جو صحابۂ کرامؓ و تابعین وہاں وارد ہوئے اُن کے حالات اور وہاں کے ممتاز اہل علم و درس کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ مصنف نے حرف معجم کی ترتیب پر اس کو مرتب کیا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ چار جلدوں میں "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے۔

(۱۱) تہذیب الکمال فی اسماء الرجال : از حافظ جمال الدین ابو الحجاج یوسف بن عبدالرحمن مزی دمشقی (المولود ۶۵۴ھ وفات ۷۴۲ھ) یہ کتاب درحقیقت حافظ عبدالغنی مقدسی کی "الکمال فی اسماء الرجال"، جو صحیحین اور سنن اربعہ کے رجال پر مشتمل ہے، اسکی تہذیب ہے۔ علامہ مزی نے اپنی تہذیب میں راویانِ علم و حاملانِ آثار اور ہر جماعت کے اکثر اہل علم کا تذکرہ حروف معجم پر مرتب کیا ہے، پھر آخر میں عورتوں کا تذکرہ لکھا ہے۔ مصنف کو اس کتاب کی تالیف میں ۷۰۵ھ سے

۷۱۲ھ تک کا عرصہ لگ گیا۔ یہ کتاب بارہ جلدوں میں ہے۔ اس کا قلمی نسخہ "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے

حافظ علاء الدین مغلطائی (المولود ۶۹۰ھ وفات ۷۶۲ھ) نے حافظ مزی کی تہذیب الکمال کا ۱۳ جلدوں میں استدراک لکھا ہے، اور ان کی کتاب کا نام "اکمال تہذیب الکمال فی اسماء الرجال" ہے (۱)

(۱۲) تذھیب تہذیب الکمال: از حافظ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی، (المولود ۶۷۳ھ وفات ۷۴۸ھ) اس میں مصنف نے علامہ مزی کی "تہذیب الکمال" کا اختصار کیا، پھر اس اختصار کا بھی اختصار کیا ہے، اور اس کا نام ہے، "الکاشف عن رجال الکتب الستۃ" اس میں صرف اُن رواۃ کا تذکرہ ہے جن کی روایات کی تخریج صحاح ستہ میں کی گئی ہے اور انکی وفیات کا تذکرہ ہے، جن کتابوں میں ان کی روایت ہے ان کے رموز بھی بتادیتے ہیں۔ حروف تہجی پر مصنف نے اس کو مرتب کیا ہے، مدرسہ مظاہر العلوم سہارنپور کے کتب خانہ میں "الکاشف" کا قلمی نسخہ موجود ہے۔

(۱۳) تاریخ الاسلام وطبقات المشاھیر والاعلام: از علامہ ذہبی، مصنف نے اس کتاب میں حوادث ووفیات دونوں کو ذکر کیا ہے۔ اور سنین کے اعتبار سے مرتب کیا ہے، اس کی ابتداء پہلی صدی ہجری سے ہوئی ہے اور انتہا (۷۰۰ھ) پر ہے۔ مصنف نے اس کو ستر طبقات پر تقسیم کیا ہے، اور ہر طبقہ کے لئے دس سال رکھے ہیں۔ البتہ ہر طبقہ کے اسماء کو حروف تہجی کے لحاظ سے اور حوادث کو سنین کے

(۱) معجم المؤلفین، ج ۱۲ ص ۳۱۳

اعتبار سے مرتب کیا ہے، یہ کتاب ۳۵ جلدوں میں تھی۔ اس کی ۳۴ جلدیں دار الکتب المصریہ میں موجود ہیں۔ صرف ۵ جلدیں مصر سے سنہ ۱۳۶۰ھ میں طبع ہو سکی ہیں۔

علامہ موصوف نے اپنی تاریخ کے کئی اختصار خود کیے ہیں جس میں "سیر اعلام النبلاء" جو چار جلدوں میں ہے، اس کی تین جلدیں مصر سے طبع ہو چکی ہیں۔

(۱۴) التذکرۃ برجال العشرۃ: از محمد بن علی بن حمزہ حسینی دمشقی (المولود سنہ ۷۱۵ھ المتوفی سنہ ۷۶۵ھ) مصنف نے اپنے شیخ علامہ مزی کی کتاب "تہذیب الکمال" میں چار کتابوں کے رجال کا مزید اضافہ کیا ہے، وہ کتابیں یہ ہیں، مؤطا، مسند شافعیؒ مسند احمد، مسند ابی حنیفہ لحسین بن محمد بن خسرو۔ حافظ ابن حجر عسقلانی کے سامنے یہ کتاب موجود تھی، اس کا ذکر تعجیل المنفعۃ کے مقدمہ میں کیا ہے۔

(۱۵) تعجیل المنفعۃ بزوائد رجال الائمۃ الاربعۃ: از حافظ ابن حجر عسقلانی، حیدر آباد سے ۱۳۲۴ھ میں چھپ چکی ہے۔

(۱۶) تہذیب التہذیب: از حافظ شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عسقلانی (المولود سنہ ۷۷۳ھ وفات سنہ ۸۵۲ھ) اس میں مصنف نے علامہ مزی کی "تہذیب الکمال" کی تلخیص کی ہے اور بہت سے فوائد کا اضافہ کیا ہے۔ حیدر آباد دکن سے دو مرتبہ ۱۲ جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، مگر آج کل نایاب ہو رہی ہے لیکن اہل علم میں بہت زیادہ متداول بھی ہے۔ تہذیب الکمال میں بڑے بڑے ان فقہاء و محدثین کا تذکرہ ہے جو امام اعظم ابو حنیفہؒ یا ان کے اصحاب میں سے کسی کے شاگرد ہیں، مگر حافظ ابن حجر عسقلانی نے ان کے ذکر کو حذف کر دیا ہے، اسی وجہ سے حضرت مولانا انور شاہ صاحب فرماتے تھے کہ "رجال حنفیہ کو جس قدر نقصان حافظ نے

پہنچایا اور کسی نے نہیں۔

(۱۷) تقریب التھذیب: یہ بھی حافظ ابن حجر کی کتاب ہے جو انھوں نے اپنی کتاب "تہذیب التہذیب" سے اختصار کیا ہے، ہندوستان میں سنہ ۱۲۹۰ھ میں دو جلدوں میں چھپ چکی ہے، اس کے حاشیہ پر شیخ محمد طاہر پٹنی کی "المغنی فی اسماء رجال الحدیث" لکھی ہے، اب تو متعدد بار قاہرہ سے چھپ چکی ہے۔

(۱۸) اسعاف المبطا برجال الموطا: حافظ جلال الدین سیوطی کی کتاب ہے، ہندوستان ومصر دونوں جگہوں سے چھپ چکی ہے۔

۳- کتب طبقات

یہ وہ کتابیں ہیں جن کے مصنفین نے رجال کے مختلف طبقات قائم کیے ہیں، اور ان کے حالات طبقۃً بعد طبقۃٍ اپنے عہد تک بیان کیا ہے، اس طرز پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں سے مشہور و اہم حسب ذیل ہیں۔

(۱) الطبقات الکبریٰ: از مؤرخ محمد بن سعد بن منیع کاتب واقدی (المولود سنہ ۱۶۸ھ والمتوفی سنہ ۲۳۰ھ) ابن سعد نے پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت لکھی، اس کے بعد صحابۂ کرامؓ کے تراجم طبقات کے لحاظ سے لکھے، پھر تابعین اور ان کے بعد کے علماء کے حالات اپنے عہد تک لکھے ہیں، یہ اپنے موضوع پر نہایت عمدہ و بہترین کتاب ہے۔ تاریخ و رجال کے اہم و مستند ترین مصادر میں اس کا شمار ہے۔ اس کی آخری جلد عورتوں کے لیے مخصوص ہے۔ سب سے پہلے لندن میں ۱۳ جلدوں میں طبع ہوئی، اب مصر و بیروت سے بھی آٹھ جلدوں میں چھپ چکی ہے۔ آخری جلد میں مصنف نے تراجم کی مفصل فہرست بھی لکھ دی ہے

جس سے مراجعت میں سہولت رہتی ہے

(۲) طبقات الرواۃ : از حافظ ابو عمر و خلیفہ بن خیاط شیبانی عصفری (م ۲۴۰ھ) جو امام بخاری کے شیوخ میں ہیں۔ یہ کتاب آٹھ اجزاء پر مشتمل ہے، اس کا قلمی نسخہ مکتبہ ظاہریہ دمشق اور دار الکتب المصریہ قاہرہ میں موجود ہے۔

(۳) طبقات التابعین : امام مسلم بن حجاج قشیری (المولود ۲۰۴ھ المتوفی ۲۶۱ھ)۔

(۴) کتاب التابعین : از حافظ محمد بن حبان بستی (المولود ۲۷۰ھ المتوفی ۳۵۴ھ) مصنف کی "اتباع التابعین" اور تباع التابعین یہ دونوں کتابیں بھی پندرہ[۱۵] اجزاء میں تھیں[۱]۔

(۵) طبقات المحدثین والرواۃ : از حافظ ابو نعیم احمد بن عبداللہ بن احمد اصبہانی (المولود ۳۳۶ھ المتوفی ۴۳۰ھ)[۲]

(۶) طبقات الحفاظ یا تذکرۃ الحفاظ : از حافظ شمس الدین ذہبی، (م ۷۴۸ھ) یہ چار ضخیم جلدوں میں ہے اور دائرۃ المعارف حیدرآباد سے مکرر طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔ یہ صحابہؓ سے لے کر مؤلف کے دور تک کے حفاظ حدیث کے تذکرہ پر مشتمل ہے۔ گیارہ طبقات قائم کیے ہیں۔

دیباچہ میں لکھتے ہیں کہ "یہ حاملان علم نبوی کی عدالت بیان کرنے والوں کا تذکرہ ہے، جن کے اجتہاد پر توثیق و تضعیف اور تصحیح و تزئیف (کھوٹ بیان کرنا) میں رجوع کیا جاتا ہے"۔ حافظ موصوف نے تمام کتاب میں اس اصول کو ملحوظ رکھا ہے

(۱) الاعلام ج ۶ ص ۳۰۶ (۲) الاعلام ج ۱ ص ۱۵۰

اور کسی ایسے شخص کا ترجمہ نہیں لکھا کہ جو علم حدیث میں حافظ شمار نہ کیا جاتا ہو، چنانچہ ابن قتیبہ کے متعلق جو لغت و عربیت کے مشہور امام ہیں اور علم حدیث میں بھی ان کی بعض تصنیفات موجود ہیں، یہ لکھتے ہیں: ۔

ابن قتیبة من اوعیة العلم لکنه قلیل العمل بالحدیث فلم اذکره	ابن قتیبہ علم کا مخزن ہیں، لیکن حدیث میں ان کا کام تھوڑا ہے۔ اس لیے میں نے ان کا ذکر نہیں کیا۔

اور خارجہ بن زید اگرچہ فقہاء سبعہ میں شمار کیے جاتے ہیں لیکن ان کے متعلق بھی صاف تصریح کر دی ہے کہ چونکہ وہ قلیل الحدیث تھے، اس لیے میں نے ان کو حفاظ حدیث میں شمار نہیں کیا۔ اسی طرح ان لوگوں کا تذکرہ بھی اس کتاب میں نہیں لکھا، کہ جو اگرچہ حدیث کے حافظ تھے مگر محدثین کے نزدیک متروک الروایہ خیال کیے جاتے تھے، چنانچہ ہشام بن کلبی اور واقدی وغیرہ کے حافظ حدیث ہونے کے باوجود متروک الرواۃ ہونے کی وجہ سے ان کو حفاظ حدیث میں نہیں شمار کیا ہے۔

(۷) ذیل تذکرۃ الحفّاظ: از ابو المحاسن حسینی دمشقی المتوفی ۷۶۵ھ، یہ حافظ ذہبی کی مذکورہ بالا کتاب کا ذیل ہے اور اس میں اُن حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے جن کا ذکر حافظ ذہبی سے رہ گیا ہے، یہ کتاب دمشق سے طبع ہو چکی ہے۔

(۸) لحظ الالحاظ بذیل طبقات الحفاظ: از حافظ تقی الدین بن فہد المتوفی ۸۷۱ھ، یہ کتاب بھی تذکرۃ الحفاظ کا ذیل ہے۔ دمشق سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے

(۹) طبقات الحفّاظ: از حافظ جلال الدین سیوطی المتوفی ۹۱۱ھ، یہ حافظ ذہبی کے تذکرۃ الحفاظ کی تلخیص ہے، لیکن کہیں کہیں تراجم میں مفید اضافے کیے گئے ہیں

عرصہ ہوا یورپ سے طبع ہو چکی ہے

(۱۰) ذیل طبقات الحفاظ : از حافظ سیوطی ۔ یہ بھی حافظ ذہبی کی تذکرۃ الحفاظ کا ذیل ہے ۔ اس میں حافظ ذہبی کے معاصرین سے لے کر اپنے دور تک کے حفاظ حدیث کا تذکرہ ہے، دمشق سے یہ کتاب بھی طبع ہو چکی ہے،

نوٹ :۔ حسینی، ابن فہد، اور سیوطی ان تینوں کے ذیول "مجموعہ تذکرۃ الحفاظ" کے نام سے محدث کوثری کی تصحیح و تعلیق کے ساتھ دمشق کے مطبع التوفیق سے ۱۳۴۷ھ میں ایک ضخیم جلد کے اندر شائع ہوئے ہیں۔

۴۔ اسماء و کنیٰ و القاب پر اہم تصنیفات

محدثین کرام نے جس طرح راویان حدیث کے تراجم و احوال پر کتابیں تصنیف کیں، اسی طرح ان حضرات نے اس ضرورت کے پیشِ نظر کہ باہم ان کے ناموں میں اشتباہ والتباس نہ پیدا ہو سکے، اسماء و کنیٰ و القاب پر بکثرت کتابیں لکھی ہیں۔ ان میں سے چند کتابوں کا اجمالی تعارف ہم یہاں کر رہے ہیں :۔

(۱) الاسامی والکنیٰ : از علی بن عبد اللہ بن جعفر مدینی (المولود ۱۶۱ھ والمتوفی ۲۳۴ھ) یہ آٹھ اجزاء پر مشتمل تھی (۱)۔

(۲) الاسماء والکنیٰ : از امام احمد بن حنبلؒ (و ۱۶۴ھ م ۲۴۱ھ)

(۳) الکنیٰ : اس نام کی بہت سے ائمہ امام بخاری و امام نسائیؒ و عبد الرحمٰن بن ابی حاتم وغیرہ کی کتابیں ہیں۔

(۴) کتاب الکنیٰ والاسماء : از امام مسلم بن حجاج (المولود ۲۰۴ھ والمتوفی ۲۶۱ھ)

(۵) الکنیٰ والاسماء : از ابو بشر محمد بن احمد بن حماد بن سعد انصاری دولابی

(المولود ۲۳۶ھ المتوفی سنہ ۳۲۰ھ) یہ بڑی جامع کتاب ہے۔ ہندوستان میں دو جلدوں میں ۱۳۲۲ھ و سنہ ۱۳۲۳ھ میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

(۶) الاسماء والکنیٰ: از حاکم کبیر ابو احمد محمد بن احمد نیسا پوری (المولود ۲۸۵ھ والمتوفی ۳۷۸ھ) یہ کتاب ۱۴ جلدوں میں تھی۔

(۷) فتح الباب فی الکنیٰ والالقاب: از ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق ابن مندہ اصبہانی (المولود ۳۱۵ھ والمتوفی سنہ ۳۹۵ھ) یہ البانیہ سے مستشرق دی دو سنج کی تعلیق کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔

(۸) المؤتلف والمختلف فی اسماء نقلة الحدیث
(۹) المستبہ فی النسبة
یہ دونوں کتابیں امام ابو محمد عبد الغنی بن سعید اسدی مصری (المولود ۳۳۲ھ المتوفی ۴۰۹ھ) کی تصنیف ہیں اور دونوں ایک جلد میں ہندوستان میں ۱۳۲۶ھ میں طبع ہو چکی ہیں۔

(۱۰) الاکمال فی رفع الارتیاب عن المؤتلف والمختلف من الاسماء والکنیٰ والانساب از حافظ امیر ابو نصیر علی بن ہبة اللہ بن جعفر (ابن ماکولا) بغدادی (و ۴۲۱ھ م ۴۸۶ھ) یہ نہایت قیمتی کتاب ہے۔ مصنف نے عبد الغنی ازدی کی دونوں کتابوں اور خطیب بغدادی کی کتب کو پیش نظر رکھا ہے۔ مؤرخ ابن خلکان نے اس کو بے نظیر کتاب قرار دیا ہے، معلوم ہوا ہے کہ حیدرآباد سے طبع ہو رہی ہے، اب تک ۵ جلدیں چھپ چکی ہیں۔

(۱۱) المستدرک علی الاکمال لابن ماکولا: از حافظ محمد بن عبد الغنی بغدادی (ابن نقطہ) المتوفی سنہ ۶۲۹ھ۔

(۱۲) المشتبہ فی اسماء الرجال : از حافظ محمد بن احمد عثمان ذہبی (المولود ۶۷۳ھ م ۷۴۸ھ) یہ کتاب متقدمین، ابن ماکولا، ابن نقطہ، ابن یعلی فرضی وغیرہ متقدمین کی کتابوں کا خلاصہ ہے، نیز علامہ موصوف نے بھی خود اضافہ کیا ہے یہ کتاب لندن سے ۱۸۶۳ء و ۱۸۸۱ء میں دکتور مستشرق "دوجونغ" کے مقدمہ کے ساتھ شائع ہو چکی ہے۔

(۱۳) تحفۃ ذوی الادب فی شکل الاسماء والنسب : از ابن خطیب دہشہ محمد بن احمد ہمدانی (المولود ۷۵۰ھ، المتوفی ۸۳۴ھ) مصنف نے ۸۲۰ھ میں اسکو تالیف کیا تھا، لندن سے ۱۹۰۵ء میں البانی زبان میں مقدمہ کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔

(۱۴) نزھۃ الالباب فی الالقاب : از حافظ بن حجر عسقلانی، اس کا قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے۔

۵۔ انساب پر اہم و مشہور کتب

(۱) ما اتفق من اسماء المحدثین وانسابھم غیران فی بغضہ زیادۃ حرف واحد از ابو بکر احمد بن علی بن ثابت خطیب بغدادی (المولود ۳۹۲ھ المتوفی ۴۶۳ھ) اس کا قلمی نسخہ دار الکتب المصریہ میں موجود ہے،

(۲) اقتباس الانوار والتماس الازھار فی انساب الصحابۃ ورواۃ الآثار: از محمد عبداللہ بن علی لخمی اندلسی جو رشاطی سے مشہور ہیں (المولود ۴۶۶ھ المتوفی ۵۴۲ھ) یہ نہایت عمدہ و بہتر کتاب تھی اور اہل علم نے اسکی تلقی بھی کی ہے۔(۱)

(۱) رسالۃ المستطرفۃ ص ۹۴

(۳) الانساب المتفقة فی الخط المتماثلة فی النقط والضبط : از شیخ محمد بن ظاہر مقدسی (المولود ۴۴۸ھ المتوفی ۵۰۷ھ) ان کے شاگرد محمد بن ابو بکر اصبہانی نے اس پر ذیل لکھا ہے، اور یہ دونوں لندن سے ۱۸۶۵ء میں ایک جلد میں طبع ہو چکی ہیں،

(۴) الانساب : از تاج الاسلام سعید عبدالکریم بن محمد بن ابوالمظفر تیمی سمعانی (المولود ۵۰۶ھ المتوفی ۵۶۲ھ) اس کتاب میں مصنف نے رجال کے انساب اور جن کے تراجم لکھے ہیں ان کے حالات اور ان کے بارے میں ائمۂ فن کے جرح یا تعدیل کے اقوال، نیز ان کے شیوخ و تلامذہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ حروف معجم پر کتاب کی ترتیب رکھی ہے، مشہور مستشرق مارج لیوس کے مقدمہ کے ساتھ ۱۹۱۲ء میں لندن سے طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے۔

(۵) اللباب : از علی بن محمد شیبانی جزری (المولود ۵۵۵ھ المولود ۶۳۰ھ) مصنف نے سمعانی کی انساب کا اختصار کیا ہے اور کچھ اضافے بھی کیے ہیں، تین جلدوں میں مصر سے ۱۳۵۶ھ و ۱۳۵۹ھ میں .... طبع ہو چکی ہے،

۶ — کتب جرح و تعدیل

اس فن پر علماء نے مختلف طرز پر کتابیں لکھی ہیں (۱) بعض لوگوں نے اپنی کتابوں میں صرف کذابین و ضعفاء کو ذکر کیا ہے (۲) اور بعض حضرات نے صرف ثقات کے حالات پر کتابیں لکھی ہیں (۳) اور بعض ائمہ نے ثقات و ضعفاء دونوں کو اپنی کتابوں میں جمع کر دیا ہے۔ اس فن کی چند مشہور اور اہم کتابیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) الجرح والتعدیل[1] : از امام احمد بن حنبل (المولود ۱۶۴ھ المتوفی ۲۴۱ھ) یہ نقرہ سے

(۱) معجم المصنفین، ج ۱ ص ۹۶

دو جلدوں میں ۱۹۶۳ء میں طبع ہو چکی ہے،

(۲) الضعفاء : از محمد بن عبد اللہ بن عبد الرحیم برقی زہری المتوفی ۲۴۹ھ (۱)

(۳) الجرح والتعدیل والضعفاء : از ابو اسحاق ابراہیم بن یعقوب سعدی جوزجانی ۲۵۹ھ

(۴) الضعفاء : از امام محمد بن اسمٰعیل بخاری (المولود ۱۹۴ھ المتوفی ۲۵۶ھ)

یہ امام بخاری کی التاریخ الصغیر کے ساتھ ہندوستان میں چھپ چکی ہے۔

(۵) تاریخ الضعفاء والمتروکین : از امام حافظ ابو عبد الرحمن احمد بن علی نسائیؒ (المولود ۲۱۵ھ المتوفی ۳۰۳ھ) اس کو مصنف نے حروف تہجّی پر مرتب کیا ہے، یہ بھی التاریخ الصغیر کے ساتھ مطبع انوار محمدی الہ آباد (ہند) میں ۱۳۲۵ھ میں یہ مجموعہ طبع ہوا تھا، امام نسائیؒ کی اس کتاب کے اخیر میں امام موصوف کا ایک مختصر سا رسالہ رجال پر دوسرا بھی ہے۔ امام نسائیؒ نے اپنی کتاب میں بہت سے ثقات کو ضعیف کہہ دیا ہے۔ حتّیٰ کہ ان میں امام اعظم ابو حنیفہؒ کو بھی شمار کر دیا ہے، ممکن ہے کہ بعض لوگوں نے امام موصوف کے تشدد سے فائدہ اٹھا کر الحاقی عبارتوں کا اضافہ کر دیا ہے جیسا کہ میزان الاعتدال میں امام صاحب کا ذکر الحاقی ہے۔ (۲)

(۶) الجرح والتعدیل : از عبد الرحمن بن ابو حاتم بن ادریس حنظلی رازی (المولود ۲۴۰ھ المتوفی ۳۲۷ھ) یہ رجال حدیث کی جرح وتعدیل کے لیے مستند ترین نہایت اہم بالشان کتاب ہے۔ مصنف نے جرح وتعدیل کے باب میں ائمۂ فن کے اقوال کو تلاش کیا اور اس کو اپنی کتاب میں جمع کر دیا ہے، بالخصوص اپنے والد ابو حاتم رازی اور حافظ ابو زرعہ رازی اقوال وآراء کو بکثرت نقل کیا ہے، اس لحاظ سے

(۱) الاعلام ج ۲ ص ۹۲ (۲) ما تمس الیہ الحاجۃ ص ۴۷

یہ کتاب اپنے فن میں ممتاز مقام رکھتی ہے۔ پوری کتاب (۱۸۰۵۰) تراجم پر مشتمل ہے
ہے۔ ہر راوی کی جرح و تعدیل صحیح اسانید سے ذکر کیا ہے۔ ایک جلد میں کتاب کا
مقدمہ لکھا ہے، جس کا نام ہے (تقدمۃ المعرفۃ لکتاب الجرح والتعدیل)
اس میں علم جرح و تعدیل کی اہمیت اور ائمۂ فن کے حالات لکھے ہیں۔ اس کتاب سے
علم حدیث کا کوئی طالب علم بے نیاز نہیں ہو سکتا۔ حیدرآباد دائرۃ المعارف سے ۹ جلدوں
میں ۱۳۷۳ھ میں کتاب طبع ہو کر شائع ہو چکی، جس میں جلد اول مقدمہ کے لیے مخصوص
ہے۔ مصنف کی "علل الحدیث" بھی قاہرہ سے ۱۳۴۳ھ میں چھپ چکی ہے۔

(۷) الثقات : از ابو حاتم بن حبان بستی (المتوفی ۳۵۴ھ) اس کا ناقص قلمی نسخہ
"دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے، البتہ علامہ نور الدین ہیثمی (۸۰۷ھ) نے اس کتاب کو
حروف تہجی پر مرتب کیا ہے، ان کی کتاب کا نام ہے "ترتیب کتاب الثقات"
اس کا قلمی نسخہ مکمل دو جلدوں میں "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابن حبان نے اپنی کتاب میں تساہل سے کام لیا ہے، مگر
علامہ سیوطی نے اسکی تردید کی ہے اور لکھا ہے کہ ابن حبان کی خاص اصطلاح ہے، کہ وہ
حدیث حسن کو بھی صحیح کہتے ہیں، لامشاحۃ فی الاصطلاح،(۱) حافظ ابن حجر عسقلانی
نے اپنی کتاب "تہذیب التہذیب" میں کتاب الثقات سے بہت استفادہ و نقل کیا ہے۔

(۸) الکامل فی معرفۃ ضعفاء المحدثین وعلل الحدیث : از حافظ کبیر ابو احمد
عبداللہ بن محمد بن عدی جرجانی (المتوفی ۳۶۵ھ) انھوں نے اپنی کتاب میں
ہر اس راوی کا ذکر کیا ہے جس پر کسی محدث نے کلام کیا ہے، خواہ وہ رجال صحیحین

(۱) تدریب ص۱۱۹

ہی کے کیوں نہ ہوں، البتہ یہ اپنے موضوع پر جامع اور اہم کتاب قرار دی گئی ہے۔ علماء متاخرین نے بکثرت اس سے نقل و استفادہ کیا ہے، اس لئے "میزان الاعتدال" وغیرہ میں کسی ثقہ راوی پر ابن عدی کی جرح کو دیکھ کر فیصلے میں عجلت نہ کرنی چاہیئے بلکہ مزید تحقیق و تفتیش کی ضرورت ہے۔ اس کتاب کا ناقص نسخہ "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے۔ علامہ کوثری نے ابن عدی کی اس کتاب میں ایک نقد لکھا ہے جس کا نام رکھا ہے "ابداء وجوہ التعدی فی کامل ابن عدی"

(۹) المدخل: از امام حاکم ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ نیسا پوری (المولود ۳۲۱ھ المتوفی ۴۰۵ھ) مصنف نے کتاب کے ایک حصہ میں مجروحین رواۃ پر تفصیلی کلام کیا ہے۔ ۱۹۳۲ء میں حلب سے طبع ہو چکی ہے۔

(۱۰) کتاب الضعفاء المتروکین ۔ او اسماء الضعفاء الواضعین: از ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی: ابن الجوزی (المولود ۵۱۰ھ المتوفی ۵۹۷ھ) مصنف نے اپنی کتاب میں ان ضعفاء کا ذکر کیا ہے جو وضع حدیث کرتے تھے یا ان کو ائمہ فن نے جرح کی ہے۔ نیز کتاب کی ترتیب حروف تہجی پر رکھی ہے، اس کا قلمی نسخہ "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے۔

(۱۱) میزان الاعتدال: از حافظ شمس الدین محمد بن احمد ذہبی (المولود ۶۷۳ھ المتوفی ۷۴۸ھ) مصنف نے اپنی اس کتاب میں "ابن عدی" کا طریقہ اختیار کیا ہے بلکہ ابن عدی کی کتاب کا خلاصہ درج کر دیا ہے، چنانچہ بہت سے رواۃ کے بارے میں الفاظ جرح نقل کیے ہیں حالانکہ ان کا شمار ثقات میں ہے اور وہ جرح سے محفوظ ہیں، جیسا کہ کتاب کے مقدمہ میں اسکی صراحت بھی کر دی ہے کہ ابن عدی

وغیرہ مؤلفین نے بعض ثقات پر معمولی جرح کی ہے، اس کو میں نے بھی اس کتاب میں نقل کیا ہے، مگر میرا مقصد یہ ہے کہ بعد میں مجھ پر استدراک نہ کیا جائے ورنہ وہ میرے نزدیک ضعیف نہیں ہیں، چنانچہ بہت سی جگہوں پر مصنف نے ابن عدی وغیرہ سے اختلاف کیا ہے اور اپنی مستقل رائے کو بھی بیان کر دیا ہے مگر علامہ موصوف کا محققین، صوفیا، و اولیائے امت پر نقد غیر معتبر ہے جب تک کہ دیگر اعتدال پسند ائمہ نے ان کی تائید نہ کی ہو[1]۔ اسی طرح میزان الاعتدال کے بعض نسخوں میں امام اعظمؒ کا ذکر آگیا ہے۔ مولانا عبدالرشید نعمانی نے دلائل سے ثابت کیا ہے کہ یہ عبارت الحاقی ہے[2]۔ مصر سے ۱۳۲۵ھ میں تین جلدوں میں شائع ہوئی تھی، اور اب بیروت سے نہایت عمدہ صورت میں شائع ہو چکی ہے۔ پوری کتاب میں (۱۰۹۰۷) تراجم ہیں۔

(۱۲) رسالة فی رواة الثقات المتکلم فیهم بما لا یوجب ردهم: یہ بھی حافظ ذہبی کا ایک رسالہ ہے جو مصر سے ۱۹۰۶ء میں شائع ہو چکا ہے۔

(۱۳) نثل الهمیان فی معیار المیزان: از سبط ابن العجمی مصنف نے علامہ ذہبی کی میزان الاعتدال پر استدراک کیا ہے، اس کا قلمی نسخہ مؤلف ہی کے قلم کا لکھا ہوا "دارالکتب المصریہ" میں موجود ہے

(۱۴) الاغتباط بمعرفة فی من رمی بالاختلاط

(۱۵) التبیین لاسماء المدلسین

(۱۶) الکشف الحثیث علی من رمی بوضع الحدیث

یہ تینوں رسالے "برہان الدین ابراہیم بن محمد حلبی سبط ابن العجمی (المتوفی ۸۴۱ھ) کے ہیں"

(۱) الرفع والتکمیل ص۱۲۹ (۲) ما تمس الیہ الحاجة ص۳۴

پہلے دونوں رسالے حلب سے طبع ہو چکے ہیں،

(۱۷) لسان المیزان : از حافظ بن حجر عسقلانی (المولود ۷۷۳ھ المتوفی ۸۵۲ھ)
حافظ ذہبی کی "میزان" کے بہت سے ان رواۃ کو حذف کر دیا ہے جن سے ائمہ ستہ نے روایت کی تخریج کی ہے، اور "تہذیب الکمال" میں جن رواۃ کا ذکر ہے، ان کو بھی حذف کر دیا ہے، اور بقیہ میزان الاعتدال کو کتاب میں شامل کر لیا ہے اور کافی اضافے بھی کیے ہیں، اس میں (۱۴۳۴۳) تراجم ہیں۔ ہندوستان میں ۱۳۲۹ھ میں "دائرۃ المعارف" حیدر آباد سے چھ جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

(۱۸) طبقات المدلسین : یہ بھی حافظ بن حجر کی کتاب ہے، مصر سے ۱۳۲۲ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

(۱۹) الثقات ممن لم یقع فی الکتب الستۃ : از زین الدین قاسم بن قطلوبغا (المولود ۸۰۲ھ المتوفی ۸۷۹ھ) یہ چار جلدوں میں تھی (۱)

۷۔ کتب موضوعات

(۱) تذکرۃ الموضوعات : از ابو الفضل محمد بن طاہر مقدسی (و ۴۴۸ھ و ۵۰۷ھ)
مصنف نے حروف تہجی پر اس کو مرتب کیا ہے اور اس میں حدیث موضوع کے علاوہ اُس راوی کو ذکر کیا ہے جس کو ائمہ فن نے مجروح قرار دیا ہے۔ مصر سے ۱۳۲۳ھ میں طبع ہو چکی ہے۔

(۲) الموضوعات فی الاحادیث المرفوعات : از ابو عبداللہ حسین بن ابراہیم ہمدانی جوزقی (م ۵۴۳ھ) (۲)

(۱) و (۲) الرسالۃ المستطرفۃ ص ۱۱۱، و ص ۱۱۲

(۳) المو ضوعات الکبریٰ : از ابو الفرج عبد الرحمٰن بن جوزی (المولود ۵۰۸ھ المتوفی ۵۹۷ھ) یہ چار جلدوں میں تھی، اسکی دوسری اور چوتھی جلد کا قلمی نسخہ "دار الکتب المصریہ" میں موجود ہے۔ اس میں مصنف نے مختلف کتابوں سے حدیثوں کو جمع کیا ہے اور ان کا موضوع ہونا بیان کیا ہے، بالخصوص الکامل لابن عدی، الضعفاء لابن حبان، والعقیلی والازدی اور تفسیر ابن مردویہ، طبرانی کی تینوں معاجم، خطیب بغدادی اور ابو نعیم وغیرہ کی تصنیفات سے جمع کیا ہے، مگر علامہ موصوف نے بہت سی حدیثوں کے وضع کے فیصلے میں تشدد سے کام لیا ہے۔ علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب میں بہت سی ایسی احادیث کو موضوع کہہ دیا ہے، جن کے موضوع ہونے پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ فی الواقع وہ ضعیف ہیں، علامہ ذہبی کی رائے ہے کہ ابن جوزی نے بہت سی قوی وحسن روایات کو بھی کتاب الموضوعات میں داخل کر دیا ہے (۱) شیخ الاسلام حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ ابن جوزی کا نقد روایات میں تشدد اور حاکم کے تساہل نے ان دونوں کی کتابوں کے نفع کو مشکل بنا دیا ہے، اس لیے کہ ان دونوں کی کتابوں کی ہر حدیث میں تساہل کا امکان ہے، پس ناقل کو ان دونوں سے نقل میں احتیاط کی ضرورت ہے۔ مجرد ان دونوں کی تقلید مناسب نہیں (۲)۔

علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب "القول الحسن فی الذب عن السنن" میں ان سب کا جواب دیا ہے، جامع ترمذی اور دیگر صحاح وغیرہ پر علامہ ابن جوزی کے اعتراضات وجوابات معلوم کرنے کے لیے "التعقبات علی الموضوعات (جو چھپ چکی ہے) کا مطالعہ ضروری ہے،

(۱) لامع الدراری ص ۶۳ (۲) التعقبات علی الموضوعات ص ۱

(۴) المغنی عن الحفظ والکتاب بقولھم لم یصح شئ فی ھذا الباب : از حافظ ضیاء الدین ابوحفص عمر بن بدر موصلی حنفی (المتوفی ۶۲۳ھ) قاہرہ میں چھپ چکی ہے۔

(۵) تحذیر الخواص من اکاذیب القصاص : از حافظ جلال الدین سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) مصنف نے اپنی کتاب کے نویں فصل میں زین الدین عبدالرحیم عراقی المتوفی ۸۰۶ھ کی کتاب "الباعث علی الخلاص عن حوادث القصاص" کی تلخیص کی ہے اور دسویں فصل میں اس پر استدراک کیا ہے، مصر سے ۱۳۵۱ھ میں یہ کتاب بھی چھپ چکی ہے۔

(۶) اللآلی المصنوعۃ فی الاحادیث الموضوعۃ : از حافظ جلال الدین سیوطیؒ مصنف نے ابن جوزی کی کتاب "الموضوعات" کا اختصار کیا ہے اور اس پر استدراک کیا ہے اور اضافے بھی کیے ہیں۔ مصر سے ۱۳۱۷ھ میں دو جلدوں میں طبع ہو چکی ہے۔

(۷) ذیل اللآلی المصنوعۃ
(۸) النکت البدیعات
(۹) التعقبات علی الموضوعات

یہ تینوں کتابیں علامہ سیوطیؒ کی ہیں، اور ہندوستان میں طبع ہو چکی ہیں۔

(۱۰) تنزیہ الشریعۃ المرفوعۃ عن الاخبار الشنیعۃ الموضوعۃ : از ابوالحسن علی بن محمد (ابن عراق) کنانی (المتوفی ۹۶۳ھ) یہ نہایت جامع و مفید کتاب ہے۔ حافظ سیوطیؒ کی "اللآلی" پر اضافہ و استدراک بھی کیا ہے، مصر سے ۱۳۷۵ھ میں دو جلدوں میں طبع ہو کر شائع ہو چکی ہے،

(۱۱) تذکرۃ الموضوعات
(۱۲) قانون الاخبار الموضوعۃ والرجال الضعفاء

از جمال الدین محمد بن طاہر بن علی پٹنی المتوفی ۹۸۶ھ، یہ دونوں رسالے

ایک ساتھ قاہرہ سے ایک جلد میں طبع ہو چکے ہیں۔

( ) الفوائد المجموعة فی احادیث الموضوعة : از قاضی ابو عبداللہ محمد بن علی شوکانی (المولود ۱۱۷۳ھ، المتوفی ۱۲۵۵ھ) سلف کی کتابوں سے مصنف نے استفادہ کیا ہے، مگر بعض روایتوں کے وضع کے فیصلے میں تشدد سے کام لیا ہے، مولانا عبدالحی لکھنوی نے اپنی کتاب "ظفر الامانی" میں اس پر نقد کیا ہے۔ مصر سے یہ کتاب ۱۳۸۰ھ (۱۹۶۰ء) میں چھپ چکی ہے،

(۱۴) تحذیر المسلمین فی الاحادیث الموضوعة علی سید المرسلین: از عبداللہ محمد بشیر ظافر مالکی ۱۳۲۵ھ، اس میں مصنف نے ان روایتوں کو ذکر کیا ہے جو لوگوں کی زبانوں پر مشہور ہو گئی ہیں اور حروف تہجی پر اس کو مرتب کیا ہے، مقدمہ کتاب میں کتب موضوعات کا تعارف بھی کرایا ہے، مصر سے ۱۳۲۱ھ (۱۹۰۳ء) میں چھپ چکی ہے۔

(۱۵) الموضوعات الکبیر: از ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) میں ہندوستان طبع ہو چکی ہے۔

(۱۶) رسالة للامام الصنعانی

(۱۷) اللؤلؤ المرصوع فیما لا اصل له او باصله موضوع۔ للشیخ محمد بن ابی المحاسن الحسنی۔ یہ رسالہ اوپر والے رسالہ کے ساتھ چھپ چکا ہے۔

(۱۸) الاحادیث المرفوعة فی الاخبار الموضوعة: از مولانا عبدالحیؒ لکھنوی المتوفی ۱۳۰۴ھ ترصہ ہوا لکھنؤ سے طبع ہو چکی ہے۔

نوٹ:۔ علماء کی بہت سی ایسی بھی تالیفات ہیں جن میں ان روایات کو جمع

کیا گیا ہے جو لوگوں میں مشہور ہو گئی ہیں، اسی طرح ان کا مقام و درجہ، قوی ہیں یا ضعیف یا موضوع، ان باتوں کو بھی ان کتابوں میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کتابوں میں خصوصیت سے حافظ سخاوی کی المقاصد الحسنہ زیادہ اہم ہے،

(۱) المقاصد الحسنة فی بیان کثیر من الاحادیث المشتهرة علی الالسنة:

از حافظ محمد بن عبد الرحمن سخاوی (المولود ۸۳۱ھ المتوفی ۹۰۲ھ) اس کو مصنف نے حروف تہجی پر مرتب کیا ہے جس طرح کی ابواب پر ترتیب دی ہے، نہایت عمدہ و مفید کتاب ہے، ۱۹۵۶ء میں مصر سے اور ہندوستان و بغداد سے شائع ہو چکی ہے۔

ہم نے کتب اسماء الرجال و جرح و تعدیل کے تعارف میں اختصار و اجمال سے کام لیا ہو۔ بہرحال اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مسلمانوں نے اپنے پیغمبر علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات کو محفوظ رکھنے کے لیے کیا غیر معمولی کوششیں صرف کی ہیں۔ بس اسی پر اس رسالہ کو ختم کرتا ہوں، حق تعالیٰ شانہ، سے دعا ہے کہ وہ اس حقیر کوششوں کو قبول فرمائے۔ اور اس ناکارہ کی سیئات کو درگزر فرما کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت و اتباع کی دولت سے نوازے، اور اس کتاب کو حیات جاوداں عطا فرما کر مزید حدیث پاک کی خدمت کا موقع عطا فرمائے، وما ذلك علی الله بعزیز۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین ۰

خادم الحدیث النبوی

تقی الدین ندوی مظاہری

روز دوشنبہ، ۲۱ ربیع الاول ۱۳۰۰ھ ہجری

کتاب کے اہم مراجع ومصادر

(۱) اختصار علوم الحدیث : حافظ ابن کثیر
(۲) الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ : حافظ محمد بن عبد الرحمن سخاوی
(۳) الاعتدال فی مراتب الرجال : حضرت الاستاد مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ
(۴) الاجوبة الفاضلة للاسئلة العشرة الکاملة مع تعلیق عبد الفتاح ابو غدہ } از مولانا ابو الحسنات عبد الحیؒ لکھنوی (م ۱۳۰۴ھ)
(۵) الأعلام : از خیر الدین زرکلی
(۶) البدایة والنهایة : ابو الفدار عماد الدین اسمٰعیل بن کثیر
(۷) الباعث الحثیث شرح اختصار علوم الحدیث : از حافظ ابن کثیر
(۸) تدریب الراوی : حافظ جلال الدین سیوطیؒ
(۹) تذکرة الحفاظ : حافظ شمس الدین ذہبی
(۱۰) تہذیب التہذیب : حافظ ابن حجر عسقلانی
(۱۱) توجیه النظر الی اصول الاثر : شیخ طاہر جزائری
(۱۲) تدوین حدیث : مولانا مناظر احسن گیلانیؒ
(۱۳) التعقبات علی الموضوعات : حافظ سیوطی
(۱۴) تقدمة المعرفة لکتاب الجرح والتعدیل : عبد الرحمن بن ابی حاتم رازی
(۱۵) تذکرة الموضوعات : ملا علی قاریؒ

(۱۶) تحفة الکملة علی تحفة الطلبة : مولانا عبدالحی لکھنوی

(۱۷) توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار : محمد بن اسماعیل امیر صنعانی

(۱۸) جامع ترمذی : از امام ترمذی

(۱۹) جامع بیان العلم وفضلہ حافظ ابن عبد البر مالکی

(۲۰) الجرح والتعدیل : ابن ابی حاتم

(۲۱) خطبات مدراس : علامہ سید سلیمان ندوی

(۲۲) سنن ابن ماجہ : امام ابن ماجہ

(۲۳) صحیح بخاری : امام محمد بن اسمٰعیل بخاری

(۲۴) صحیح مسلم : امام مسلم بن حجاج

(۲۵) سنن دارمی :

(۲۶) السنة قبل التدوین : محمد عجاج خطیب

(۲۷) سیر اعلام النبلاء : علامہ ذہبی

(۲۸) السنة ومکانتها فی التشریع الاسلامی : ڈاکٹر مصطفےٰ سباعی مرحوم

(۲۹) شرح الفیة الحدیث : حافظ عراقی

(۳۰) شرح نخبة : حافظ ابن حجر عسقلانی

(۳۱) شمائل ترمذی : امام ترمذی

(۳۲) ریاض الصالحین : علامہ نووی

(۳۳) الرفع والتکمیل (مع تعلیق عبد الفتاح ابوغدہ) مولانا عبدالحی لکھنوئیؒ

(۳۴) الرسالة المستطرفة : ابو جعفر کتانی

(٣٥) ظفر الامانی : مولانا عبدالحیؒ لکھنوی

(٣٦) الطبقات الشافعیة الکبری : علامہ تاج الدین سبکی

(٣٧) الطبقات الکبری : ابن سعد

(٣٨) عین الاصابة فیما استدرکته عائشة علی الصحابة :

(٣٩) فتح الباری بشرح صحیح البخاری : حافظ ابن حجر عسقلانی

(٤٠) فتح الملهم : مولانا شبیر احمد عثمانیؒ

(٤١) فتح المغیث بشرح الفیة الحدیث : حافظ سخاوی

(٤٢) فواتح الرحموت : مولانا عبدالعلی بحرالعلومؒ

(٤٣) الفرق بین الفرق : عبدالقاہر بن محمد بغدادی

(٤٤) الکفایة فی علم الروایة : خطیب بغدادی

(٤٥) کشف الظنون : علامہ چلپی

(٤٦) کتاب العلل : امام ترمذیؒ

(٤٧) قواعد التحدیث : علامہ جمال الدین قاسمی

(٤٨) القول المسدّد فی الذب عن المسند : حافظ ابن حجر عسقلانی

(٤٩) لسان المیزان : حافظ ابن حجر عسقلانی

(٥٠) لامع الدراری شرح بخاری : از حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مدظلہ

(٥١) مفتاح الجنة : جلال الدین سیوطی

(٥٢) مسند امام احمدؒ

(٥٣) هدی الساری مقدمة فتح الباری : حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

(۵۴) معرفۃ علوم الحدیث : حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری

(۵۵) المنتقی فی منہاج الاعتدال } حافظ ابن تیمیہ
(حافظ ذہبی نے منہاج السنہ کا اختصار کیا ہے)

(۵۶) مصادر الشعر الجاہلی : دکتور صارم الدین اسد

(۵۷) مناقب احمد : علامہ ابن جوزی

(۵۸) مقدمہ تحفۃ الاحوذی : مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری

(۵۹) میزان الاعتدال : علامہ ذہبی

(۶۰) علوم الحدیث : مقدمہ ابن صلاح

(۶۱) مقدمہ اوجز المسالک : حضرت الاستاذ مولانا محمد زکریا صاحب مدفیوضہم

(۶۲) ماتمس الیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ : مولانا عبدالرشید نعمانی

(۶۳) مقدمۃ زجر الربی علی المجتبیٰ : حافظ جلال الدین سیوطی

(۶۴) معجم المصنفین : عمر رضا کحالہ

(۶۵) نتائج الافکار : امیر یمانی

(۶۶) الیواقیت والجواہر : شیخ عبدالوہاب شعرانی

تمت